کرامات الاولیاء

کشف و کرامات کے حیرت انگیز واقعات

کراماتُ الاولیاء

مولانا ابو نعیم قمر

مکتبہ القریش، چوک اردو بازار۔ لاہور

ISBN 969-38-0199-7

ناشر: محمد علی قریشی

مطبع: معراج دین پرنٹرز لاہور

تعداد: ایک ہزار

بار اول: ۱۹۹۱ء

قیمت: =/75 روپے

ابتدائیہ

"کراماۃ الاولیاء" صوفیاؑ اور اولیاءؒ کے سوانح اور حالات زندگی کی کتاب نہیں بلکہ جیسا اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ یہ اولیائے کرام کے بعض خصوصی واقعات پر مشتمل ہے۔ جنہیں عرف عام میں "کرامتیں" کہا جاتا ہے۔ اولیاؑ اور صوفیاء کے سوانح حیات پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ان میں سے کئی کتابیں فی الواقع بڑی مستند سمجھی جاتی ہیں۔ جن سے راہِ سلوک کے طالب استفادہ کر سکتے ہیں تاہم ہمارا موضوع دیگر مصنّفوں سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ کیونکہ ہم نے صوفیاؑ اور اولیاءؒ کے حالاتِ زندگی فراہم کرنے کے بجائے اُن سے ظہور میں آنے والی کرامات پر توجہ دی اور انہیں ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ جن بزرگوں نے اولیائے کرام کے حالات و سوانح اکٹھے کیے یا جن مصنّفوں اور مؤلفوں نے بعض اہل اللہ کے کوائف پر الگ الگ کتابیں لکھی ہیں۔ انہوں نے سوانح کے ساتھ ساتھ اُن کے خارق عادت واقعات یعنی کرامات کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر ہمارے یہاں کوئی ایسی کتاب نہیں تھی۔ جس میں صرف اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی کرامتوں ہی کو جمع کیا جاتا۔ اس طرح راہِ سلوک و طریقت کے شائقین کو ایک ایسی دستاویزی کتاب مل جاتی۔ جو بزرگانِ معرفت کے خارق عادت واقعات پر مشتمل ہوتی اور وہ سب کے سب یا بیشتر اولیائے کرام کی کرامات کا ذکر ایک ہی مجموعے

میں پڑھ سکتے۔ چونکہ بہت سے طالبانِ معرفت بزرگوں کے خارق عادت واقعات کو ایک جگہ اکٹھا دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ایک ہی کتاب سے بہت سے اولیائے کرام کی کرامتوں کا حال پڑھ سکیں۔ لہٰذا ہم نے ان کی یہ دیرینہ خواہش پوری کر دی ہے اور اسی مقصد کے تحت "کراماۃ الاولیا" پیش کر رہے ہیں۔ جس میں اولیائے کرام، صوفیائے عظام اور بزرگانِ دین سے ظہور میں آنے والی کرامتوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اب ہمارے قارئین اس ایک کتاب سے بزرگوں کی کرامات سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

فخرِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا تھا۔

"عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ اَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل"

(میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے)

اس حدیث کی روشنی میں اگر اُمّتِ مسلمہ کے ولیوں، صوفیوں اور بزرگوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ان میں واقعی اسرائیلی نبیوں کی سی شان نظر آتی ہے۔ بلکہ بعض اولیائے کرام کا مقام تو کئی اسرائیلی نبیوں سے بھی اونچا دکھائی دیتا ہے۔ جس کی وضاحت اور تشریح کا یہ موقع نہیں۔ تاہم جن لوگوں نے اسرائیلی صحائف اور عہدِ اسلام کے اولیاء کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے۔ اُس پر اسرائیلی تاریخ خود شاہد ہے۔ اگر کبھی موقع ملا تو ہم اس ضمن میں ایک تقابلی جائزہ پیش کریں گے۔

یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ انبیاء سے اُن کی صداقت کے لیے جو خارق عادت واقعات ظہور میں آتے ہیں۔ انہیں معجزہ کہا جاتا ہے۔ جبکہ غیر نبی کے ذریعے پیش آنے والا کوئی بھی عجیب وغریب واقعہ کرامت کہلاتا ہے۔

خارق عادت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی بات جو کائنات کے معمول اور قدرت کے مقرر کردہ فطری قاعدہ و اُصول کے برعکس پیش آئے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے "سیرۃ النبیؐ" میں ابن سینا کے اشارات اور نجات، امام رازی کے مباحثِ مشرقیہ اور ابن مسکویہ کے فوز الاصغر کے حوالے سے "خارق عادت" پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ درج ذیل ہے:-

"دنیا کے مادی حوادث جس طرح مادی اسباب و علل کے نتائج ہیں، اُسی طرح وہ نفسیاتی اسباب کے نتائج بھی ہوتے ہیں۔ نفس کے اندر مختلف قسم کے جذبات اور حرکات پیدا ہوتے ہیں اور اُن سے ہمارا مادی جسم متاثر ہوتا ہے۔ درخت یا دیوار پر چڑھنے والے کو اکثر یہ پیش آتا ہے کہ جہاں اُس کے دل میں خوف پیدا ہوا، اُس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور وہ کانپ جاتا ہے اور گر پڑتا ہے۔ وہی خوف سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہے، بیمار پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مر بھی جاتا ہے۔ شرمندگی اور خجالت سے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ غیظ و غضب میں چہرہ تمتما اُٹھتا ہے۔ یہ کمزور نفوس کا حال ہے۔ اس سے زیادہ قوی نفوس اپنے تاثرات سے دوسروں کو متاثر کر لیتے ہیں اور اپنی قہر و محبت کی نگاہ سے دوسروں کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابِ نفوس قدسیہ اور اربابِ قوتِ کمالیہ اس مادی دُنیا میں بہت کچھ تصرف کر سکتے ہیں۔"

(سیرت النبیؐ جلد سوم ص۱۷)

یہ ایک ایسا موضوع ہے، جس پر آج تک کسی نے بھی تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی بلکہ اکثر لوگ معجزہ کی حقیقت بیان کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ یعنی وہ اہلِ علم کو مطمئن نہیں کر سکے کہ معجزہ کس طرح ظہور میں آتا ہے یا کرامت کیسے ظاہر ہوتی ہے اور اس کا دُنیا کے اسباب و علل اور اُن کے فطری تسلسل سے کوئی واسطہ و تعلق کیوں نہیں ہوتا؟

ہم یہاں اس بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتے۔ قدرت کے فطری اُصول و قواعد کے باوجود جن پر کائنات کے قیام اور ارتقا کا دار و مدار ہے۔ دُنیا میں کچھ واقعات ایسے بھی ظہور میں آتے رہتے ہیں جو عقل انسانی کو حیران و ششدر کر دیتے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ وہ واقعات قوانین قدرت سے ہٹ کر پیش آئے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالےٰ قرآنِ حکیم میں بہ تکرار فرماتا ہے۔

"وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا"

(اور تو اللہ کے اُصول اور قانون کو تبدیل ہوتے ہوئے نہیں پائے گا)

کائنات کے مادی اُصولوں اور اسباب و علل کے فطری سلسلے سے ہٹ کر ایک روحانی سلسلہ بھی ہمیشہ قائم رہا ہے اور اس سلسلے میں محیرّ العقل واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ جن کی عقلِ انسانی کوئی توجیہہ پیش نہیں کر سکی، مگر دنیا میں روایت درایت اور شہادت یا کسی واقعے کی صحت معلوم کرنے کے جتنے بھی طریقے رائج ہیں وہ سب اُن محیرّ العقل یا خارق عادت واقعات کی تصدیق کرتے رہے ہیں۔ جس سے اُس روحانی سلسلے کی حقیقت ظاہر ہوتی رہی ہے یا پھر نبیوں کے معجزات اور ولیوں کی کرامات پر عام لوگ حیرت کا اظہار کرتے رہے ہیں جو بجائے خود اُن خارق عادت واقعات کی تصدیق کا ایک ذریعہ ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ انبیاءؑ کے معجزات کی طرح اولیاءؒ کی کرامتیں بھی بڑی حیرت انگیز ہوتی ہیں، جن کا عقلِ انسانی احاطہ نہیں کر سکتی مگر اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ عقیدت مند کبھی کبھی کسی کرامت کے اظہار میں مبالغہ آرائی سے بھی کام لیتے ہیں۔ جس سے معاملے کی صورت بدل جاتی ہے اور انسانی ذہن اُس مبالغہ آرائی کو قبول نہیں کرتا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کشف و کرامت کے الفاظ ایک دوسرے سے بہ لحاظ معنی و مفہوم بہت قریب قریب ہیں۔ اس کے باوجود عملاً اُن میں بڑا فرق ہے۔ اولیاءؒ اور صوفی حضرات بعض نظارے کشف میں دیکھتے اور انہیں اپنے مریدوں کے سامنے بیان کرتے ہیں مگر بعض مرید اُن کشفی واقعات کو ظاہر پر محمول کر کے لوگوں کو سناتے ہیں۔ اس طرح اُن واقعات کی حیثیت ہی تبدیل ہو جاتی ہے یا سلوک و معرفت کی دُنیا میں بعض الفاظ یا اشارے مخصوص روحانی کیفیات کے مظہر ہوتے ہیں، جنہیں کچھ لوگ ظاہری معنی پہنا دیتے ہیں۔

طالبانِ معرفت کو چاہیے کہ وہ کرامت اور کشفی واقعات میں اپنی بصیرت کے مطابق امتیاز کریں جس سے خود اُن کے علم اور [illegible]

بڑی عجیب اور حیرت انگیز ہوتی ہیں جو لوگ خواب، رویا اور کشف کے مختلف درجات کو سمجھتے ہیں۔ وہ یقیناً کشف اور کرامت میں بھی امتیاز کر سکتے ہیں۔ یہ رہنمائی سلوک کی راہ میں اُن کے کام آئے گی۔

ہم نے اولیا، صوفیا اور بزرگان دین کے خارق عادت واقعات پر مشتمل ایک مفید مجموعہ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے جس سے اس منزل کے راہی استفادہ کر سکتے ہیں اور انہیں یہ بھی پتا چل سکتا ہے کہ معرفت وسلوک کی راہ تمام راہوں سے کڑی اور مشکل ہے اور انسان ترکِ خواہشات کے بعد ہی عشقِ الٰہی کا تمغہ حاصل کر سکتا ہے۔ مگر یہ نہیں بھولنا چاہیئے۔ ؎

جادۂ عشق کی منزل ہے فقط دار و رسن
جس سے ہر قافلۂ دل زدگان گزرا ہے

ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہمارے پڑھنے والے اس کتاب سے فیض حاصل کریں گے اور ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

مولانا ابونعیم قمر۔ لاہور

اہلِ اللہ کا گروہ

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ، ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ہ

(النساء ۷۰)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کریں گے۔ وہ اُن لوگوں کے ساتھ یا اُن لوگوں میں ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیا اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ لوگ بہت اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل، اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کافی جاننے والا ہے۔

☆

جب لاہور تباہ و برباد ہوا

امیر حسن علا سنجری نے جو خواجہ حسن دہلوی کے نام سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔ "فوائد الفواد" کے نام سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کے جو ملفوظات مرتب کیے ہیں۔ ان میں حضرت سلطان المشائخ کے حوالے سے لاہور کی تباہی کے بارے میں ایک حیرت انگیز واقعہ بیان کیا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں :

میں ایک مرتبہ رمضان المبارک کی ستائیس یا اٹھائیس تاریخ کو لاہور میں تھا اور اُس سال چونکہ تین مہینے آسمان پر لگاتار بادل یا گرد و غبار چھایا رہا۔ اس لیے تین ماہ تک چاند دکھائی نہ دیا۔ بالخصوص چاند طلوع ہونے کے نوروز تک بادل یا غبار رویت ہلال میں حائل ہو جاتا تھا اور یہ سلسلہ تین مہینے جاری رہا۔ اہل لاہور اس پریشانی اور مصیبت میں ہر مہینے کے تیس (۳۰) دن شمار کرتے رہے، مگر جب تین مہینے گزر گئے تو پتا چلا کہ دنوں کے شمار میں اُن سے غلطی ہو گئی ہے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہ موسمی مصیبت صرف لاہور تک محدود نہیں تھی بلکہ تین ماہ تک تقریباً پورے پنجاب کا مطلع ابر آلود یا گرد آلود رہا اور چاند نظر نہ آسکا تھا حضرت خواجہ نظام الدین رحؒ اس واقعے کو نحوست قرار دیتے ہیں۔ جس کے باعث لاہور پر تباہی آئی تھی۔ مگر انھوں نے لاہور کی تباہی کا ایک دوسرا سبب بھی بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں انہی دنوں لاہور کے کچھ سوداگر کپڑا وغیرہ لے کر بہ غرض تجارت گجرات کاٹھیاواڑ کی جانب گئے۔ گجرات پر ہندو راجہ حکومت کرتا تھا (اس وقت دہلی پر خلجی خاندان کی حکومت تھی اور گجرات ابھی تک فتح نہیں ہوا تھا) جب گجرات کے ہندو تاجروں نے لاہور کے سوداگروں سے کپڑا خریدنے کی بات چیت کی تو انہوں نے کپڑے کی اصل قیمت سے دوگنے دام بتائے۔ یعنی دس درہم والا کپڑا بیس درہم اور بیس درہم والا کپڑا چالیس درہم کا بتایا۔ اسی طرح ہر چیز کی دگنی قیمت ظاہر کی۔ جب گجرات کے تاجروں نے خریداری میں دل چسپی نہ لی تو لاہور کے سوداگروں نے کپڑے کی قیمت کم کرنا شروع کردی حتیٰ کہ سارا کپڑا اور دوسرا مال نصف قیمتوں پر (جو در اصل اصل قیمتیں تھیں) فروخت کردیا۔

یہ رویہ گجرات کے ہندو تاجروں کے لیے بڑی حیرانی کا باعث ہوا کیونکہ اُن کا دستور یہ تھا کہ وہ گاہک کو اپنے مال کی ایک ہی اور ٹھیک قیمت بتاتے اور اسی قیمت پر مال فروخت کرتے تھے۔ اس بنا پر ایک ہندو تاجر نے لاہور کے سوداگروں سے پوچھا۔

"کیا تمہارے شہر میں کاروبار اسی طرح ہوتا ہے، جس طرح تم نے کیا ہے؟"

لاہوری سوداگروں نے جواب دیا: "ہاں۔ ہم مال کی قیمت دگنی بتاتے ہیں۔ اُس قیمت پر بک جائے تو بہتر ورنہ آدھی قیمت تک بیچ دیتے ہیں۔" اُس ہندو نے حیرت زدہ سا ہو کر پوچھا "کیا تمہارا شہر ابھی تک آباد ہے؟" سوداگروں نے کہا: "کیوں نہیں۔ ہمارا لاہور آباد ہے۔"

ہندو تاجر نے تیسری بار حیرت کا اظہار کیا اور کہا "وہ شہر جہاں اس قسم کا لین دین ہوتا ہے۔ زیادہ دیر تک آباد نہیں رہ سکتا۔"

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:

جب لاہور کے سوداگر گجرات سے پلٹے تو ابھی رستے ہی میں تھے کہ تاتار کے لشکر نے لاہور پر حملہ کردیا اور پورے شہر میں تباہی پھیلادی۔ اس حملے میں لاہور

اس طرح تباہ ہوا کہ لوگ ایک زمانے تک اُس تباہی کا ذکر کرتے رہے۔

قارئین کی معلومات کے لیے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جب خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سے ولایتِ معرفت حاصل کی اُس وقت دہلی پر غیاث الدین بلبن کی حکومت تھی۔ بلبن کی وفات کے بعد معز الدین کیقباد تخت پر بیٹھا، لیکن دار السلطنت میں خلجیوں کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ چنانچہ خلجیوں نے جلال الدین فیروز کی قیادت میں ایک پارٹی بنالی۔ کچھ عرصے کے بعد جلال الدین نے سلطان معز الدین کیقباد کو قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا اور سلطان جلال الدین خلجی کے نام سے سریر آرائے تخت ہوا۔

خلجیوں کے بارے میں عام طور سے کہا جاتا ہے کہ وہ ترک تھے جو افغانستان کے علاقے میں آکر بس گئے تھے۔ افغان حملہ آوروں کے ساتھ ہندوستان میں آئے تھے جلال الدین خلجی کوئی مقبول حکمران نہ تھا۔ علاؤ الدین خلجی اُس کا بھتیجا بھی تھا اور داماد بھی، جس پر وہ بڑا اعتماد کرتا تھا۔ علاؤ الدین فوجی سپہ سالار اور بڑا مہم جُو تھا۔ اُس نے جلال الدین خلجی کو دھوکے سے قتل کر کے ہندوستان کی اسلامی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور بڑی شان سے حکومت کی۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے لاہور کے سوداگروں کا جو واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں پیش آیا تھا۔ جلال الدین خلجی ہی کے دَور میں ہلاکو خاں لشکرِ تاتار کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور اُس نے لاہور کو تباہ و برباد کر دیا تھا، لیکن جلال الدین خلجی نے دہلی سے نکل کر ہلاکو خاں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور تاتاری لشکر کو شکست دے کر مار بھگایا تھا۔ جس کے بعد ہلاکو خاں ناکام واپس چلا گیا تھا۔

ہم نے ”کراماۃ الاولیاء“ میں لاہور کی بربادی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے کیا ہے کہ اس بربادی کے پیچھے کسی ولی یا صوفی کی کسی کرامت کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بربادی اہلِ لاہور کی اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ تھی۔ جیسا کہ گجرات کاٹھیاواڑ میں مسلمان سوداگروں کے تجارتی لین دین سے پتا چلتا ہے کہ وہ کاروبار میں

بے ایمانی کرتے تھے۔ البتہ گجرات کے ہندو تاجر کی بصیرت لائقِ داد ہے۔ جس نے تجارت اور دیانت کے مسلّمہ اصولوں کی خلاف ورزی کے پیشِ نظر یہ پیش بینی کی تھی کہ لاہور جہاں کاروبار میں بددیانتی ہوتی ہے زیادہ دیر تک آباد نہیں رہ سکے گا۔

ہندو تاجر کی بات سولہ آنے درست ثابت ہوئی۔ مسلمان سوداگر ابھی گجرات سے لاہور واپس بھی نہیں آئے تھے کہ تاتاری لشکر نے لاہور پر حملہ کر کے اُسے تباہ و برباد کر دیا۔ بددیانتی اور بے ایمانی کا انجام ہمیشہ بربادی ہوتا ہے۔

☆

مسلمان کی تعریف

آج چند احادیث مقدسہ قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔ ان احادیث کی روشنی میں دیکھنا چاہیے کہ ہمارے مذہب نے ہمیں کیا تلقین کی تھی اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ احادیث کے ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے۔ حدیث بھی بالواسطہ طور پر اللہ تعالیٰ کے ہی احکام ہوتے ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عمل، فعل یا قول فرمانِ خداوندی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ شخص مسلمان نہیں جو اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ روٹھا رہے اور اس سے کلام نہ کرے اور جو شخص دوسرے بھائی سے بات چیت میں پہل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ اجر عطا فرمائیں گے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

"وہ شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جس کے ہمسائے اس کے شر سے محفوظ نہ رہ سکیں۔"

مسلمانوں کی باہمی اخوت اور محبت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"مسلمانوں کی حیثیت ایک جسدِ واحد کی سی ہے کہ اگر اس سے کسی عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم اس کو محسوس کرتا ہے۔" مزید فرمایا مسلمانوں کی مثال ایک دیوار کی سی

ہے کہ اگر اس میں سے ایک اینٹ بھی اپنی جگہ سے نکال دی جائے تو ساری دیوار کو ضعف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔"

باہمی عزت واحترام کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص اپنے سے بڑے کی عزت نہیں کرتا اور اپنے سے چھوٹے کے ساتھ محبت کے ساتھ پیش نہیں آتا وہ مسلمان نہیں ہے۔"[۱]

والدین کی عزت وحرمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"وہ شخص انتہائی بدبخت ہے جو اپنے بوڑھے والدین کی عزت واحترام کر کے محبت حاصل نہیں کر سکا۔"

ایک شخص نے پوچھا: "یا رسول اللہ! میرے بہترین سلوک کا مستحق کون ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "تمہاری ماں" اس نے سہ بارہ پوچھا کہ اس کے بعد کس کا حق ہے؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا: "تمہاری ماں" جب اس شخص نے چوتھی مرتبہ یہی سوال دریافت کیا تو ارشاد فرمایا اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے۔

٭

رسول اللہ کی برکت سے کئی آدمی ایک پیالے دودھ سے سیر ہو گئے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن اصحابؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ جن سے حضورؐ بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کے عشق رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ ہمہ وقت آپؐ کے قریب رہتے اور باتیں سننے کی تمنا رکھتے تھے۔ اس مقصد کی خاطر بعض اوقات انہیں بھوکا پیاسا بھی رہنا پڑتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ احادیث ابوہریرہؓ ہی سے مروی ہیں، کیونکہ وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت اور گفتگو کو سب امور پر ترجیح دیتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا زیادہ وقت چونکہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ہم نشینی میں گزرتا تھا۔ اس لیے وہ بعض اوقات اپنے کھانے پینے کا بندوبست بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ابوہریرہؓ غالباً دو روز کے فاقے سے تھے، وہ مسجد نبویؐ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور جب حضرت ابوبکر صدیقؓ گزرے تو قرآن مجید کی آیت سنائی کہ :

یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔

ترجمہ : نادان آدمی ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے اُن کو مالدار سمجھتا ہے۔ حالانکہ آپ اُن کو ان کے چہرے سے پہچان سکتے ہیں کہ وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر بھیک نہیں مانگتے

اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔ وہ اُسے بہتر طور پر جانتا ہے۔"

پھر دریافت کیا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے آیت کا مطلب بیان کیا اور آگے بڑھ گئے۔ ابوہریرہ رضؓ بولے: "بھلا یہ مطلب مجھے نہیں آتا تھا۔ اصل مطلب تو یہ تھا کہ مجھے کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ مَیں بھوکا ہوں۔ پھر حضرت عمر فاروق رضؓ گزرے تو اُن سے بھی اُسی آیت کے معنی پوچھے۔ انہوں نے معنی بتائے اور چلے گئے۔ جس پر ابوہریرہ رضؓ نے پھر کہا۔ یہ معنی تو مَیں بھی جانتا ہوں۔ حتیٰ کہ رسول مقبولؐ تشریف لائے تو ابوہریرہ رضؓ نے آپ سے بھی اُسی آیت کا مطلب پوچھا۔ حضورؐ مسکرا دیئے اور فرمایا۔

ابوہریرہ رضؓ: میرے ساتھ آؤ۔ مَیں تمہیں اس آیت کے معنی سمجھاتا ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ابوہریرہ رضؓ کو اپنے ساتھ لے آئے اور دودھ کا ایک پیالہ منگوایا اس کے ساتھ ہی کچھ اصحاب کو بھی بلوایا اور سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اِردگرد ایک دائرے کی شکل میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ رسول اللہ صلی اللہ کے قریب بیٹھے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دودھ کا پیالہ انہی کے لیے منگوایا تھا۔ مگر جب دودھ آیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ دوسری طرف بیٹھے ہوئے صحابی کو پینے کے لیے دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ کو کچھ مایوسی تو ہوئی مگر اُمید تھی کہ پیالے میں جو دودھ بچے گا۔ وہ انہی کو پینے کے لیے دیا جائے گا۔ جب صحابی رضؓ نے دودھ پی کر پیالہ واپس کرنا چاہا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ پیالہ اپنے ساتھ والے آدمی کو دے دے تاکہ وہ دودھ پیے۔ جس پر ابوہریرہ رضؓ مایوس ہو گئے کہ ان کی باری نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایک پیالہ دودھ اگر دو نہیں تو بمشکل تین آدمی پی سکیں گے۔ لیکن دودھ کا پیالہ متعدد اصحاب کے ہاتھوں سے ہوتا اور ان کا پیٹ بھرتا ہوا ابوہریرہ رضؓ تک پہنچا تو بدستور بھرا ہوا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے پیٹ بھر کے دودھ پیا اور پیالہ واپس کرنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: "ابوہریرہ رضؓ اور پیو۔"

ابو ہریرہؓ نے مزید دودھ پیا۔ جب تیسری بار انہوں نے پیالہ واپس کرنا چاہا تو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "ابو ہریرہ اور پیو۔"

ابو ہریرہؓ نے جواب دیا: "حضورؐ! اب تو دودھ میرے ناخنوں تک پہنچ گیا۔"

رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: "ابو ہریرہؓ! تم نے جس آیت کے بارے میں پوچھا تھا۔ اُس کا اصل مطلب یہ تھا۔"

☆

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور تلاوتِ قرآن

حضرت شیخ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخش نے اپنی مشہور تصنیف "کشف المحجوب" میں جہاں علم معرفت اور تصوف کے بارے میں بڑے لطیف نکات بیان فرمائے ہیں۔ وہاں صحابہ کرام رضؓ، تابعین اور آئمہ و اولیائ کے حالات بھی رقم فرمائے ہیں۔ جن میں ایک خاص اندازِ فکر پایا جاتا ہے۔ ہم حضرت داتا صاحبؒ کے حوالے سے بزرگانِ دین کے حالات و واقعات کا ایک سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔

سب سے پہلے خلیفۂ اوّل سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے متعلق احادیث صحیحہ کے حوالے سے یہ روایت درج کی گئی ہے کہ جب صدیق اکبر رضؓ نماز پڑھتے تو قرآن مجید کی جو سورت بھی پڑھتے اس کی قرائت آہستہ کرتے تھے۔ مگر جب حضرت عمر فاروق رضؓ نماز ادا کرتے تو بلند آواز سے قرائت کیا کرتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دریافت کیا۔

"ابوبکر رضؓ! تم قرآن آہستہ کیوں پڑھتے ہو؟"

جواب دیا: "یا رسول اللہ ﷺ۔ میں قرآن اس ذات کو سناتا ہوں جس سے راز کی بات آہستگی سے کہہ سکتا ہوں کیوں کہ میں جانتا ہوں، وہ مجھ سے دور نہیں اور اسے سنانے کے لیے آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا برابر ہے۔"

پھر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضؓ سے دریافت کیا کہ تم قرآن مجید

کی تلاوت بلند آواز سے کیوں کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

"میں اس آواز سے خوابیدہ لوگوں کو جگاتا ہوں"

یہی وجہ ہے کہ مشائخ طریقت نے اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اربابِ مشاہدہ کا سردار تسلیم کیا ہے تو حضرت عمر فاروقؓ کو جو دین کے معاملات میں سخت واقع ہوئے تھے۔ اربابِ مجاہدہ کا سردار مانا ہے۔

متذکرہ روایت بیان کرنے میں حضرت داتا صاحب کے نزدیک بڑے لطیف رموز پنہاں ہیں۔ کیونکہ مشاہدے اور مجاہدے میں جو فرق بیان کیا گیا ہے۔ وہ سمندر اور قطرے کی مثال سے ظاہر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ ذاتِ باری کو اپنے قریب بلکہ سامنے دیکھتے تھے اور اسی ادب و احترام کے پیش نظر جو ایک سالک کا طریق رہا ہوتا ہے۔ قرآن کی تلاوت آہستگی سے کرتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ قرآن سے ان لوگوں کو بھی جگانے کی کوشش کرتے تھے جو خوابیدۂ غفلت تھے۔ گویا وہ مجاہدہ سے کام لیتے تھے۔ اسی لیے حضرت نبی اکرمؐ نے حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"تیری حیثیت ابوبکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کے برابر ہے"

اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت عمرؓ کی وجہ سے اسلام کو بڑی عزت و شوکت نصیب ہوئی۔ مگر روحانیت کے معاملے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان پر فضیلت حاصل ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ دنیائے معرفت میں ایسی بہت سی باتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ جنہیں عقل انسانی آسانی سے نہیں سمجھ سکتی۔

☆

رسول اللہ ؐ کے صحیح جانشین ابوبکر صدیق رضؓ

اسلام میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو جو بلند مرتبہ و مقام حاصل ہوا اس سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انہیں یہی شرف حاصل نہیں کہ وہ ظہور اسلام سے قبل بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دوست تھے۔ بلکہ انہوں نے دوستی اور رفاقت کا فرض آخر تک ادا کیا۔ حتیٰ کہ جب کفارِ مکّہ نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بھی مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی تو اس سفر میں ابوبکر صدیق رضؓ ہی کو حضورؐ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا بلکہ دشمنوں کے خوف سے جب انہوں نے غار ثور میں پناہ لی تو اس اعلیٰ تعلق کی بنا پر ابوبکر صدیق رضؓ حضورؐ کے "یار غار" کہلائے۔

یہاں یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ ابوبکر صدیق رضؓ کی اس رفاقت کا اللہ تعالیٰ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ جب دشمن حضورؐ کو تلاش کرتے ہوئے غار ثور کے دہانے تک پہنچ گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ان کی آواز سن کر گھبرا گئے تو اللہ تعالےٰ نے اسی وقت بذریعہ وحی رسول اللہؐ کی زبان سے انہیں تسلی دی۔

"لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے)

یعنی اللہ کی نصرت حضرت نبی کریمؐ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ دونوں کے ساتھ تھی۔ امت میں یہ عظیم شرف حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہی کو صرف حاصل ہو سکا کہ ان کے اضطراب کے پیشِ نظر خود اللہ تعالیٰ کو وحی کے ذریعے انہیں مطمئن کرنا پڑا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ وہ رسول اللہؐ کے پرانے دوست تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے آپ ایمان لائے۔ انہوں نے واقعہ معراج کی تصدیق کر کے کفار کو لاجواب کر دیا۔ اپنا تمام مال خدا کی راہ میں قربان کر دیا۔ قدم قدم پر رسولِ خداؐ کی حفاظت کرتے رہے۔ بلکہ آپ نے ہجرت کے لیے انہی کو رفیقِ سفر بنایا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو حضورؐ کی زوجیت میں دے کر روحانی تعلق کے علاوہ دنیاوی رشتہ بھی قائم کر لیا اور یہ تعلق اس قدر مضبوط ثابت ہوا کہ مثالی حیثیت اختیار کر گیا۔ رسول اللہؐ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو بہت زیادہ عزیز رکھتے اور انہیں دوسرے صحابہؓ پر فضیلت دیتے تھے۔ چنانچہ جب حضورؐ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے عائشہ صدیقہؓ سے کہا۔

”حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو کہو وہ میری جگہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔“

یہ اشارہ تھا اس طرف کہ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ ہی ان کے جانشین ہوں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے حضرت علی رضؓ سے دریافت کیا کہ آپ نے ابوبکر رضؓ کی خلافت کیسے تسلیم کر لی؟ تو حضرت علی رضؓ نے جواب دیا ”رسول اللہؐ نے جس شخص کو ہمارے دین کی امامت کے لیے پسند فرمایا اسی کو ہم نے اپنی دنیا کی امامت کے لیے پسند کیا۔“

❋

اسلام کے پہلے ولی حضرت علیؓ

امیر المومنین حضرت علیؓ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اسلام کے چوتھے خلیفہ تھے۔ جن کے ہاتھ پر حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد بیعت کی گئی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چچازاد بھائی اور حضور کے داماد بھی تھے ابوالحسن اور ابو تراب ان کی کنیت تھی۔ حضرت علیؓ بہادر، شجاع، عالم، عابد وزاہد اور اسلام کے پہلے ولی شمار ہوتے ہیں حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ اصولِ طریقت اور جفاکشی میں علی مرتضیٰؓ ہمارے مرشد ہیں یعنی علم طریقت میں حضرت علیؓ صوفیا کے امام سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت علیؓ کے عہد کا افسوسناک واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان آپس میں تلواریں چل گئیں۔ چنانچہ جنگ جمل اور جنگِ صفین میں ہزاروں مسلمان باہمی جدال وقتال کا لقمہ بن گئے۔ اسی زمانے میں خوارج کا فتنہ ظہور میں آیا اور حضرت علیؓ کو اُن سے بھی نبرد آزما ہونا پڑا وہ دُنیا کے مال واسباب سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے اور آخرت ہی کو اپنے لیے بہترین انعام خیال کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا جس شخص کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ہمارے دین کی امامت کے لیے پسند فرمایا۔ ہم نے اُسے اپنی دنیا کی امامت کے لیے پسند کیا اور اس کے ہاتھ پر جمع ہو گئے۔

ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا "امیر المومنین! مجھے کوئی نصیحت کیجیے"۔

فرمایا: یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھو کہ بیوی بچوں ہی کو زندگی کا سب سے بڑا مشغلہ نہ سمجھ لیا۔

فرمایا۔ حضرت موسیٰؑ نے دخترِ شعیبؑ یعنی اپنی بیوی کو مصیبت کے وقت چھوڑ کر خدا کے حوالے کر دیا تھا اور حضرت ابراہیمؑ نے ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ کو وادیٔ غیر ذی زرع اور صحرائے لق و دق میں چھوڑ کر اللہ کے سپرد کیا تھا۔ انہیں شغلِ دنیا کا ذریعہ نہیں بنایا تھا گویا اپنے دل کو پوری طرح اللہ تعالےٰ کے ساتھ وابستہ کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دونوں جہان کی مرادیں حاصل کر لیں۔

فرمایا: غیر اللہ سے دل کو بے نیاز کر لو۔ وہ شخص جس کا دل اللہ کی معیت میں تونگر ہوا سے دنیاوی مال واسباب کی قطعاً حاجت نہیں رہتی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ، نے اپنی زندگی خدا کی خوشیوں کے لیے وقف کر دی تھی اور دُنیا کے بجائے آخرت کے توشہ کی فکر میں رہتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک جلیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک حدیث بھی ہے۔ دنیا دراصل ایک قید خانے کی مانند ہے جس میں مومن قید کر دیا جاتا ہے اور اس دنیا سے رہائی دراصل قید سے رہائی ہے۔

حضرت علیؓ ایک خارجی ابن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ وہ کوفہ کی مسجد میں صبح کی نماز پڑھانے آئے تھے کہ قاتل کا خنجر چل گیا اور عالمِ اسلام اپنے پہلے ولی سے محروم ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

❊

اور امیر المومنین حضرت علیؓ کو شہید کر دیا گیا

جنگ صفین میں جس میں قرآن نیزوں پر بلند کیے گئے تھے۔ بے شمار بہادران عرب اور صحابہ کرامؓ باہمی لڑائی میں شہید ہوئے۔ آخر جھگڑے کے تصفیہ کے لیے دومتہ الجندل کے مقام پر صلح کانفرنس ہوئی۔

اس کانفرنس میں بھی کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

امیر المومنین حضرت علیؓ اپنے لشکر سمیت دارالخلافت کوفہ کی طرف لوٹ آئے۔ امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اپنی فوجیں لے کر شام اور مصر کی جانب چلے گئے۔ جنگ صفین کے بعد قریباً بیس ہزار خارجی حضرت علیؓ کے لشکر سے الگ ہو گئے تھے۔ جن کے فتنے کو دبانے کے لیے امیر المومنین کو ان سے باقاعدہ معرکہ آرا ہونا پڑا۔

یہ عرب کی ایک گرم شام کا واقعہ ہے۔ تین خارجی جوان عبدالرحمٰن ابن ملجم برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر ایک ویرانے میں اکٹھے ہوئے۔ انہوں نے اپنی خفیہ مجلس میں مسلمانوں کے باہمی جدل و قتل پر گفتگو کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ جھگڑے کی بنیاد صرف تین حضرات ہیں۔

امیر المومنین حضرت علیؓ حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ اگر ان تینوں حضرات کو قتل کر دیا جائے تو عالم اسلام میں امن ہو جائے گا۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد تینوں خارجی بد نہادوں نے یہ بھی طے کر لیا کہ جملہ قتل ایک ہی دن، ایک ہی تاریخ اور ایک ہی وقت پر عمل میں آئیں۔ چنانچہ تینوں نے ایک ایک قتل اپنے ذمے

لیا اور قتل کی تاریخ ۲۱ رمضان مقرر کر کے اس کام کے لیے صبح کی نماز کا وقت معین کر لیا۔ پھر وہ تینوں اپنے مقصد کی تکمیل کی خاطر الگ الگ مقامات کی طرف روانہ ہو گئے۔

پہلا خارجی عمرو بن بکر مصر پہنچ گیا تاکہ عمرو بن العاص کو عین اس وقت قتل کر دے جب وہ صبح کی نماز پڑھا رہے ہوں لیکن قاتل اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور پکڑا گیا۔ دوسرا خارجی برک بن عبد اللہ معینہ تاریخ کو دمشق میں موجود تھا اور امیر معاویہ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن اس روز معاویہؓ کسی وجہ سے نماز پڑھانے کے لیے جامع مسجد میں نہ جا سکے۔ لہٰذا دوسرے قاتل کو بھی اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔

تیسرا بدبخت ازلی عبد الرحمٰن ابن ملجم اسی تاریخ کو کوفہ پہنچ گیا تھا۔ جناب علی مرتضےٰ حسب عادت امامت کے لیے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھا رہے تھے کہ ابن ملجم نے اچانک پیشانی پر تلوار سے وار کیا۔

وار مہلک تھا امیر المومنین رضؓ خون میں نہا گئے۔ قاتل گرفتار کر لیا گیا آپ نے فرمایا۔ "میرے قاتل سے انتقام نہ لیا جائے۔"

بدبخت ابن ملجم اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے لگائے ہوئے زخم کے نتیجے میں حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے جام شہادت نوش کیا اور ۲۱ رمضان ۴۰ ہجری کو اپنے مولا کے حضور پہنچ گئے۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

حضرت عائشہ رضؓ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی صاحبزادی تھیں، نبوت کے چوتھے برس شوال کے مہینے میں پیدا ہوئیں، آپ کی ولادت سے پہلے خاندان مسلمان ہو چکا تھا، خود فرماتی ہیں کہ مَیں نے جب سے اپنے ماں باپ کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔ حضرت خدیجہ رضؓ کے انتقال کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا نکاح حضرت عائشہ رضؓ سے ہوا۔ اور تین برس بعد رخصتی عمل میں آئی۔

حضرت عائشہؓ جب حضورؐ کے گھر میں آئیں تو وہ گھر ایک کچے حجرہ پر مشتمل تھا جس پر کھجور کی ٹہنیوں کی چھت تھی۔ ایک چارپائی ایک چٹائی، ایک بستر، ایک تکیہ، مٹی کے دو مٹکے پانی کا ایک برتن اور پیالہ، حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ بعض اوقات چالیس چالیس دن تک گھر میں چراغ نہ جلتا تھا۔ گھر کا سارا کام، آٹا پیسنا، گوندھنا، کھانا پکانا، کپڑے دھونا اپنے ہاتھ سے انجام دیتیں، کبھی کبھی تین تین دن گزر جاتے اور سیر ہو کر کھانا نصیب نہ ہوتا۔

جب فتوحات شروع ہوئیں اور مدینہ میں مالِ غنیمت آنے لگا تو بعض بیبیوں نے ایکا کیا اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے گزارا بڑھا دینے کی درخواست کی۔ اس پر وہ آیتیں اتریں۔ جنہیں آیاتِ تخیر کہتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر تم دُنیا کی زینت چاہتی ہو تو خدا کا پیغمبر تم کو مال، دے دلا کر رخصت کر دے گا اور خدا اور رسولؐ پسند ہے تو

سبحان اللہ، حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیات سُنیں تو کہا کہ میں اللہ اور اُس کے رسول کو دُنیا کی آسائشوں پر ترجیح دیتی ہوں ۔ مجھے کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ۔ حضرت عائشہ کی سخاوت اور فیاضی ضرب المثل تھی ۔ بارہا ایسا ہوا کہ بعض خلفاء نے ہزارہا درہم بطور نذر بھیجے ، لیکن حضرت عائشہ رضؓ نے اسی دن وہ سب کے سب حاجت مندوں میں تقسیم کر دیے اور اپنے لیے ایک حبہ نہ رکھا ۔

بڑے بڑے صحابیوں نے کہا ہے کہ دین کا علم حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ کسی کو نہ تھا کیونکہ ایک تو وہ خود بہت سمجھدار اور اسلام کی مصلحتوں کو سمجھنے والی تھیں ، دوسرے ان کو رسولؐ خدا کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا تھا ۔ آپ ٹونے ٹوٹکے اور اوہام پرستی کی باتوں سے نفرت کرتی تھیں ۔ آپ کو بے شمار حدیثیں یاد تھیں ۔

⁂

حضرت اویس قرنی رضؓ

نجد کے صحرا کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی ریت نے جہاں دنیائے عشق کے شہنشاہ قیس عامری المعروف مجنوں کے پاؤں چومے وہاں عشق حقیقی کے طالبوں کے نقوشِ پا بھی اس کی زینت بنے، چنانچہ اسلام کے اوّلین عاشقوں میں اویس قرنی رضؓ کا تعلق بھی اسی صحرا سے تھا۔

ایک روز پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صحابہ رضؓ سے فرمایا: "قرن میں اویس نام کا ایک آدمی رہتا ہے۔ روزِ قیامت وہ ربیعہ اور مضر کی بکریوں کے برابر میری امت کی شفاعت کرے گا۔

ایک روایت کے مطابق حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت علی مرتضےٰ رضؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "تم دیکھو گے کہ وہ ایک متوسط قد کا آدمی ہے۔ اس کے پہلو میں درہم کی مانند ایک سفید داغ ہے۔ جس کی سفیدی برص کی طرح ہے۔ جب اُسے دیکھو تو میرا سلام کہو اور پیغام دو کہ وہ میری اُمّت کے لیے دُعا کرے۔"

حضرت اویس قرنی رضؓ اپنا زیادہ تر وقت شہر کی بجائے صحرا میں گزارتے اور مصروفِ عبادت رہتے تھے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رحلت کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر رضؓ مکہ میں تشریف لائے، حضرت علی رضؓ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے خطبہ کے دوران اہل نجد سے پوچھا۔

"اے اہلِ نجد! کیا تم میں کوئی شخص قبیلہ قرن کا بھی ہے؟"
انہوں نے چند آدمیوں کو امیر المومنین کی خدمت میں بھیجا تو حضرت عمرؓ نے ان سے اویسؓ کے بارے میں دریافت کیا۔ اہلِ نجد کہنے لگے۔

"امیر المومنین! اویس تو ایک دیوانہ ہے۔ آبادیوں میں نہیں آتا۔ کسی سے صحبت نہیں رکھتا، جو کچھ لوگ کھاتے ہیں وہ نہیں کھاتا۔"
میں اُس دیوانے سے ملنا چاہتا ہوں۔

اس پر اہلِ نجد نے بتایا کہ وہ جنگل میں ہوگا جہاں ہمارے اونٹ چرتے ہیں۔
امیر المومنین حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کے ہمراہ اُٹھے اور جنگل میں گئے، جہاں اویسؓ کی اطلاع ملی تھی۔ دیکھا کہ وہ ریگزار میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب تک وہ نماز میں مصروف رہے۔ دونوں حضرات بیٹھے رہے۔ جب اویسؓ فارغ ہوئے تو انہوں نے حضرات عمرؓ اور حضرت علیؓ کو سلام کہا اور ساتھ ہی اپنے پہلو کا داغ دکھایا۔

دونوں حضرات نے اویسؓ کو رسول اللہ صلی اللہ و آلہٖ وسلّم کا سلام پہنچایا اور امت کے حق میں دُعا کرنے کے لیے کہا؛ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے جب رخصت ہونے لگے تو اویسؓ نے کہا۔
"آپ حضرات نے مجھ سے ملنے کی بڑی تکلیف اُٹھائی۔ واپس تشریف لے جائیے کیونکہ قیامت قریب ہے۔ اب وہیں ملاقات ہوگی اور وہ ملاقات ایسی ہے کہ اُس کا کبھی خاتمہ نہ ہوگا۔"
حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ واپس آگئے۔

جب اہلِ قرن مکّہ سے لوٹ کر اپنے قبیلہ میں واپس گئے تو ان کے دل میں حضرت اویسؓ کی قدر و منزلت بہت بڑھ چکی تھی مگر اویسؓ کو ان باتوں کی مطلق پروا نہ تھی۔ انہیں تو صرف عشقِ الٰہی کی لگن تھی۔ چنانچہ لوگوں کا میلان ان کی طرف بڑھا تو قرن کو چھوڑ کر کوفے چلے گئے اور صحراؤں میں پھرتے رہے۔ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں جب فتنہ و فساد برپا ہوا تو اویسؓ صحرا کو چھوڑ کر شہر میں آئے اور حضرت علیؓ کے حق میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

لوگو! تمہیں پانی کی ضرورت ہے تو مجھے بصرہ سے نکال دو

حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا شمار بزرگ ترین اولیا میں ہوتا ہے، وہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ خلافت میں ۲۱ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ان کی والدہ اُمّ المومنین اُمّ سلمہؓ کی لونڈی تھیں۔ جب وہ پیدا ہوئے تو حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس لائے گئے انہوں نے دیکھ کر فرمایا:

"اس کا نام حسن رکھو، کیونکہ اس کا چہرہ حسین ہے" چنانچہ عمر فاروقؓ کے ارشاد کے مطابق ان کا نام حسن رکھا گیا۔ ان کے والد بصرہ اور واسط کے درمیان میلسان نامی ایک جگہ کے رہنے والے تھے جو بصرہ سے قریب تھا۔ اس لیے بصری کی نسبت سے مشہور ہوئے۔

خواجہ حسن شروع شروع میں جواہرات کی تجارت کیا کرتے تھے۔ عربی میں ہیرے کو "لولو" کہتے ہیں۔ اس لیے وہ بھی "حسن لولوئی" کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ لیکن جب ان کے دل میں عشق الٰہی کی تڑپ پیدا ہوئی تو تمام مال و اسباب خدا کی راہ میں لٹا دیا اور دنیا سے بالکل کنارہ کش ہو کر گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھے۔ حسن بصریؒ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے اور سنتِ رسولؐ کے بڑے پابند تھے زہد و عبادت کی وجہ سے اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ بدن پر گوشت نظر نہ آتا تھا۔

"تذکرۃ الاولیاء" کا بیان ہے کہ جب حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے اس وقت خواجہ حسن بصری جوان تھے اور بڑی شائستہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ ان کی تقریر بڑی دلپذیر ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ

امیرالمومنین حضرت علیؓ بصرہ تشریف لائے اور پوشیدہ طور پر حسن بصریؒ کی محفل میں چلے گئے امیرالمومنینؓ نے پوچھا۔ "حسن تم عالم ہو یا طالب علم؟"

حسن بصریؒ نے جواب دیا۔ "میں کچھ نہیں ہوں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جو ارشاد مجھ تک پہنچا ہے وہ لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہوں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا: "یہ جوان شائستہ کلام کرتا ہے۔" پھر وہاں سے رخصت ہو گئے لیکن حسن بصریؒ نے اپنی کرامت سے معلوم کر لیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ تھے جو چھپ کر آئے تھے اور چلے گئے۔ چنانچہ وہ فوراً منبر سے اترے اور آپؓ کے پیچھے چل دیے آخر انہیں جا لیا اور کہا:

"امیرالمومنین! خدا کے لیے مجھے طہارت سکھائیے۔"

حضرت علیؓ نے صوری اور معنوی دونوں طریق سے طہارت کی تعلیم دی خواجہ حسن بصریؒ نے حضرت امیرالمومنین کی صحبت سے بہت فیض حاصل کیا۔ ان کے بارے میں بہت سی حکایت مشہور ہیں۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ بصرہ میں بارش نہ ہوئی اور قحط پڑ گیا۔ تقریباً دو لاکھ آدمی نماز استسقا ادا کرنے کے لیے میدان میں نکل آئے۔ خواجہ حسن بصریؒ کو منبر پر کھڑا کیا گیا کہ دعا فرمائیں۔ انہوں نے کہا: "لوگو! تمہیں پانی کی ضرورت ہے تو مجھے بصرہ سے نکال دو۔"

لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا تھا کہ آسمان سے پانی برسنے لگا۔

❖

حسن بصریؒ دشمنوں کو نظر نہ آسکے

حضرت حبیب عجمیؒ کا شمار اگرچہ تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ لیکن جناب علی ہجویریؒ نے ان کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ وہ اپنے عہد کے ایک بلند پایہ بزرگ اور صوفی تھے۔

حبیب عجمی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ شروع شروع میں سود پر روپیہ قرض دیا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں انہیں توبہ کی توفیق عطا ہوئی اور وہ یادِ الٰہی میں اس طرح منہمک ہوئے کہ صوفیائے کرام میں شمار ہونے لگے۔ انہوں نے حضرت حسن بصریؒ سے کچھ علم سیکھا تھا۔ چونکہ ان کی زبان عجمی تھی اور لہجہ بھی عجمی تھا اس لیے وہ عربی روانی کے ساتھ نہیں بول سکتے تھے۔

حبیب عجمیؒ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ حسن بصریؒ ان کی مسجد کے قریب سے گزرے۔ اس وقت حبیب مغرب کی نماز ادا کر رہے تھے۔ حسن بصریؒ مسجد میں داخل ہوئے لیکن ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی۔ اس کی وجہ یہ ہے حبیب عجمیؒ لہجے کی وجہ سے قرآن مجید کی قرأت بھی اچھی طرح نہیں کر سکتے تھے۔ رات کو جب حسن بصریؒ سو رہے تھے تو خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور سوال کیا: "الٰہی! تو کس بات میں راضی ہے؟"

فرمایا: "اے حسن! میری رضا تجھے حاصل ہونے والی تھی مگر تو نے خود کنارا کر لیا۔ اگر تو حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھ لیتا تو میں تجھ سے راضی ہو جاتا۔ لیکن افسوس تو نے ان کے عجمی لہجے سے پرہیز کیا۔ لیکن ان کی نیت پر غور نہ کیا۔"

ان کے بارے میں یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ جب حسن بصریؒ حجاج بن یوسف کے آدمیوں سے بچ کر بھاگے تو انہوں نے مسجد حبیبؒ میں آکر پناہ لی۔ حجاج کے آدمی بھی ان کا تعاقب کرتے ہوئے مسجد میں پہنچ گئے اور انہوں نے آکر حبیب سے سوال کیا "کیا تم نے حسن کو کہیں دیکھا ہے؟"

ہاں دیکھا ہے۔ حبیب نے جواب دیا: "وہ اسی مسجد میں ہیں۔"

ان لوگوں نے مسجد کو دیکھا بھالا۔ لیکن حسن بصریؒ کہیں نظر نہ آسکے۔ سمجھے شاید حبیب نے مذاق کیا ہے پھر ذرا سختی سے کہنے لگے "شاید تم سچ نہیں بول رہے اور ہمارا مذاق اڑا رہے ہو۔"

انہوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں حسنؒ اس وقت اسی مسجد کے اندر موجود ہیں۔ ان لوگوں نے دو تین مرتبہ حسن بصریؒ کو ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر کار مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد حسن بصریؒ ظاہر ہوئے اور حبیب سے بولے "حبیبؒ! اللہ نے تمہاری برکت کے طفیل مجھے ان سے چھپائے رکھا۔"

حبیبؒ نے جواب دیا "اے استاد! اس میں میری برکت کا دخل نہیں۔ بلکہ یہ میرے سچ بولنے کی برکت تھی، جس نے آپ کو ان کی نظروں سے چھپائے رکھا۔"

حضرت حسن بصریؒ ان کے اس استدلال پر بہت خوش ہوئے۔ بہرحال صوفیا میں یہ بات مشہور ہے کہ مسجد میں چھپنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ پھر بھی حسن بصریؒ حضرت حبیب عجمیؒ کی کرامت کے باعث دشمنوں کو نظر نہ آسکے۔

☆

وہاں دودھ اور شہد کے چشمے جاری ہو گئے

حبیب بن سلیم الراعیؒ جنہیں "امیر الاولیا" کہا جاتا ہے معرفت و طریقت کے بزرگوں میں بڑا بلند مقام رکھتے ہیں۔ وہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سلمان فارسیؓ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور اپنی نیت اور عمل کی ہم آہنگی سے درجۂ کمال کو پہنچے۔

حبیب الراعی بھیڑ بکریاں پالا کرتے اور انہی کی آمدنی سے اپنی کفالت کرتے تھے۔ ان کا اکثر وقت دریائے فرات کے کنارے گزرتا تھا۔ جہاں ایک طرف ان کی بھیڑ بکریاں چرتی رہتی تھیں اور دوسری جانب وہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھے مصروف عبادت رہتے تھے۔

حضرت علی ہجویریؒ رقمطراز ہیں کہ میرے پیر و مرشد نے ان کے بارے میں بہت سی روایات بیان کی تھیں۔ لیکن میری کتابیں غزنی میں رہ گئی ہیں۔ اس لیے انہیں نقل نہیں کر سکتا۔ تاہم انہوں نے حضرت حبیب الراعی کے بارے میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے۔ جسے قارئین کے افادہ کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔

ایک شیخ جنہیں حضرت حبیبؒ کی زیارت کا شوق تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ادھر سے گزرا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ حضرت حبیبؒ خود تو نماز میں مصروف تھے اور ایک بھیڑیا ان کی بھیڑ بکریوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ میں نے جب یہ عالم دیکھا تو دل میں شوق پیدا ہوا کہ ایسے بزرگ سے ملاقات کرنی چاہیے۔ چنانچہ میں ان کے قریب جا کر انتظار کرنے لگا۔ کہ وہ نماز سے فارغ ہو لیں تو بات کروں، جب وہ نماز پڑھ چکے تو مجھ سے پوچھا "کیسے آئے ہو؟"

مَیں نے جواب دیا: "آپ کی زیارت کا شوق لے آیا۔"

انہوں نے مجھے دُعا دی اور جب میں نے دریافت کیا کہ یا حضرت! یہ عجیب اور انہونی بات کیسے عمل میں آئی کہ ایک بھیڑیا بھیڑوں سے دوستی رکھتا ہے۔ جناب حبیبؒ نے جواب دیا "اس کی دوستی دراصل بھیڑوں کے رکھوالے سے ہے۔"

ابھی وہ یہ بیان کر ہی رہے تھے کہ مَیں نے ایک اور عجیب و غریب نظارہ دیکھا۔ وہاں لکڑی کے پیالے سے جو ایک پتھر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ دو چشمے جاری ہو گئے۔ ان چشموں میں ایک چشمہ دُودھ کا تھا اور دوسرا شہد کا۔ مَیں نے پوچھا۔

"یا شیخ۔ یہ درجۂ کمال آپ کو کہاں سے مل گیا؟

فرمایا: "محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی اور اطاعت سے۔"

پھر ذرا توقف کے بعد کہنے لگے: "موسیٰؑ کی قوم موسیٰؑ کی مخالفت کرتی رہتی تھی مگر ایک پتھر سے ان کے لیے پانی جاری ہو گیا تھا۔ حالانکہ موسیٰؑ اس درجہ کمال پر فائز نہ تھے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل ہوا اگر مَیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطیع و فرمانبردار ہوں۔ اس لیے اگر ان کی برکت سے میرے لیے پتھر سے دودھ اور شہد کے چشمے جاری ہو گئے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟"

اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی انسان حضرت سرورِ کائنات فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحیح پیروی کرے تو وہ صرف درجہ ولائت کو ہی نہیں پہنچ جاتا بلکہ اس کی قوتِ قدسیہ اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ پتھر سے اس کے لیے شہد اور دودھ کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

❁

جب امام زین العابدینؑ حرم کعبہ میں داخل ہوئے

امام زین العابدین جنہیں علی اصغر بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت امام حسینؓ کے فرزند تھے جو میدانِ کربلا میں بیماری کے باعث شریک جنگ نہ ہو سکے۔ جب ابنِ زیاد کے لشکر نے کربلا کی جنگ "جیت" لی اور امام ہمامؓ اوران کے ساتھیوں کو جامِ شہادت پلایا جا چکا تو اسیرانِ اہلِ بیت میں صرف زین العابدین ہی ایک مرد تھے لیکن کم سن، انہیں پہلے کوفہ پھر دمشق پہنچایا گیا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ مدینہ منورہ میں منتقل کر دیئے گئے۔ چونکہ امام حسینؓ کے خاندان میں سے وہی باقی بچے تھے اس لیے تمام لوگوں کی توجہ انہی کی طرف منعطف ہو چکی تھی۔

یزید کی وفات کے بعد ابو خالد بن یزید نے چند ماہ حکومت کی پھر وہ دستبردار ہو گیا اور مروان بن الحکم نے خلافت سنبھال لی۔ اس کی وفات کے بعد عبدالملک بن مروان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس نے امرِ خلافت کو درست کر دیا۔ اس کے بعد ہشام بن عبدالملک مسندِ خلافت پر بیٹھا۔

ہشام کے عہدِ خلافت میں زین العابدین نہ صرف جوان ہو چکے تھے۔ بلکہ ارضِ حجاز میں ان کی عزت و تکریم اموی خلفائے سے کہیں زیادہ کی جاتی تھی، روایت بیان کی جاتی ہے کہ ہشام بن عبدالملک اپنے عہدِ خلافت میں ایک مرتبہ حج کرنے آیا اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اس نے حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی کوشش، لیکن ہجوم اس قدر تھا کہ اس دھکم پیل میں حجرِ اسود تک نہ پہنچ سکا نہ لوگوں نے اسے راستہ دیا۔ کیونکہ ہجوم میں سے ہر شخص خود حجرِ اسود تک پہنچنے اور اسے

بوسہ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ حتّٰی کہ وہ طواف کے بعد منبر پر آیا اور خطبہ دینے لگا۔

ٹھیک اس وقت حضرت زین العابدین علی بن حسینؓ مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف شروع کیا اور جب حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لیے بڑھے تو لوگوں نے از راہ تعظیم راستہ چھوڑ دیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔

اہل شام میں سے ایک شخص نے یہ حالت دیکھی تو ہشام بن عبدالملک سے مخاطب ہو کر بولا۔

"امیر المومنین! آپ کو تو لوگوں نے حجر اسود تک پہنچنے کا راستہ نہ دیا۔ حالانکہ آپ ان کے خلیفہ ہیں۔ لیکن یہ جوان رعنا کون ہے۔ جس کے آتے ہی لوگ راستہ چھوڑ کر ہٹ گئے ہیں۔"

ہشام نے جواب دیا: "میں نہیں جانتا۔"

اس وقت مشہور شاعر فرزوق ابو فراس بھی وہاں موجود تھا۔ جسے شاعر اہلِ بیت بھی کہا جاتا ہے اس نے کہا: "میں اسے جانتا ہوں۔"

انہوں نے کہا: "اے ابو فراس ..... ! پھر ہمیں بتاؤ یہ کون ہے؟"

اس کے جواب میں فرزوق نے امام زین العابدین کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا۔

☆

امام ابوحنیفہؒ نے خواب دیکھا کہ

امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت کو اُمت میں جو مقام حاصل ہے۔ اُس سے کون صاحب واقف نہیں، کیونکہ آپ کا شمار ان مشہور آئمہ کرام میں ہوتا ہے۔ جن کے علم وعرفان نے مسلمانوں پر گہرا اثر ڈالا اور ان کے لیے صراطِ مستقیم کو متعین کیا۔

حضرت امامؒ کو شروع ہی سے اصلاح بین الناس کا بڑا خیال رہتا تھا۔ وہ ایک طرف عبادت و مجاہدہ میں اپنا وقت صرف کرتے تھے تو دوسری جانب انہیں یہ خیال بھی پریشان رکھتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے کام آئیں، مگر مجاہدات کی وجہ سے کئی بار گوشہ نشینی کا ارادہ بھی کرتے اور اپنے آپ کو دُنیا اور مخلوقِ خدا سے اس طرح کنارہ کش کر لینا چاہتے تھے کہ کلیتاً واصل باللہ ہو کر رہ جائیں۔ انہی ایام میں ایک رات خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر میں اُن کی ہڈیاں اکٹھی کر رہے ہیں اور انہیں آپس میں باہم جوڑ رہے ہیں۔

یہ خواب ایسا عجیب و غریب اور دہشت انگیز تھا کہ امام ابوحنیفہؒ خوف کے مارے جاگ اُٹھے اور بڑے پریشان ہوئے کہ انہوں نے ایسا حیرت انگیز خواب دیکھا ہے۔ ان کے دل و دماغ پر خواب کا اثر طاری تھا اور وہ بے حد خوفزدہ تھے حتیٰ کہ ابن سیرینؒ (جو علم تعبیر میں ماہر تھے) کے اصحاب سے اپنے خواب کے بارے میں دریافت کیا۔

انہوں نے خواب کی تعبیر یہ بتائی۔ کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت میں

ایک بلند مقام حاصل کریں گے اور علم پیغمبر اور ان کی سنّت کے تحفظ کے باعث مسلمان ہمیشہ آپ کو یاد رکھیں گے آپ کو اس معاملے میں اتنا تصرف حاصل ہو گا کہ درست اور نادرست کو الگ الگ کر کے رکھ دیں گے۔

یہ تعبیر سُن کر امام ابو حنیفہ رح کی تسلی بھی ہوئی اور یہ خیال بھی آنے لگا کہ نجانے اللہ تعالیٰ ان سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے ایک اور خواب دیکھا اور اس خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو دیکھا جو اُن سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے۔

"اے ابو حنیفہ۔ ! تمہیں میری سنّت کو زندہ کرنے کا وسیلہ بنایا گیا ہے۔"

اس خواب کے بعد اس امر پر اُن کا یقین پختہ ہو گیا کہ قدرت ان سے اصلاح علم اور اصلاح بین الناس کا کام لینا چاہتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ساری توجہ اسی طرف لگا دی اور وہ جو خیال آیا تھا کہ دُنیا سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لیں ترک کر دیا۔ چنانچہ آپ کی علمی مساعی اور فقہی مسائل کی تحقیق و تدقیق کے نتیجے میں امت کو عظیم فوائد حاصل ہوئے ان سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

☆

امام اعظم ابو حنیفہؒ علمِ روحانی سے سیراب ہوئے

امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں جب نوفل بن حبان فوت ہو گئے تو میں نے ایک خواب دیکھا جس سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یوم حشر ظاہر ہو چکا ہے اور تمام لوگ حساب کتاب کے لیے جمع ہیں۔ وہیں میری نگاہ حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی جو ایک حوض کے کنارے تشریف فرما تھے۔ حضورؐ کے آس پاس بزرگانِ اُمت موجود تھے۔ ان میں ایک نہایت ہی پاک صورت اور سفید ریش بزرگ بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ پیار کر رہے تھے۔ چنانچہ پارسا کی کیفیت یہ تھی کہ انہوں نے اپنا رخسار پیغمبرِ خداؐ کے رخسار سے ملا رکھا تھا گویا ان سے بہت محبت رکھتے تھے ان کے پاس مجھے نوفل بن حبانؒ بھی نظر آئے تھے کہ نوفل نے بھی مجھے دیکھ لیا اور میرے پاس آئے۔

اس وقت مجھے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے ان سے پانی طلب کیا تو وہ بولے کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لے لوں۔

حضورؐ نے اجازت دے دی اور انگلی سے اشارہ فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ پانی دے دیا جائے۔ چنانچہ نوفل بن حبان نے مجھے پانی دے دیا اور جب پانی پی چکا تو میں نے اسے اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھا دیا۔ کیونکہ وہ بھی پیاسے تھے۔ باری باری میرے تمام ساتھیوں نے پانی پیا اور جب وہ پی چکے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ پیالہ جوں کا توں لبالب بھرا تھا۔ اس میں سے گویا ایک قطرہ بھی کم نہ ہوا تھا۔

اس کے بعد میں نے نوفل بن حیان رضؓ سے دریافت کیا کہ وہ بزرگ کون ہیں جو رسولؐ خدا کی دائیں جانب بیٹھے ہیں اور جنہوں نے ان کے رخسار سے رخسار ملا رکھا ہے؟

نوفل نے جواب دیا کہ وہ ابراہیم خلیل اللہؑ ہیں۔

پھر دوسری جانب جو بزرگ بیٹھے تھے۔ میں نے ان کے بارے میں پوچھا تو نوفل نے بتایا... " ان کا نام ابوبکر صدیق رضؓ ہے۔"

اس وقت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اردگرد متعدد اصحابؓ موجود تھے اور میں ان سب کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہیں، چنانچہ میں باری باری ہر ایک کے متعلق پوچھتا جاتا تھا اور نوفل بن حیانؒ مجھے بتاتے جا رہے تھے۔" ساتھ ہی ساتھ میں ان بزرگوں کو اپنی انگلیوں پر بھی شمار کرتا جا رہا تھا اور ابھی میں صرف سترہ بزرگوں کے بارے میں معلوم کر سکا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی اور وہ خواب ختم ہو گیا۔" لیکن جب میں بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری ایک انگلی میرے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں پر سترہ کے نشان پر پہنچ چکی ہے گویا میں خواب میں سچ مچ گنتی بھی کر رہا تھا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ الرازیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا اور پوچھا " یا رسول اللہؐ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟"

فرمایا: " مجھے ابوحنیفہؒ کے علم میں تلاش کرو۔"

امام اعظمؒ کے اپنے خواب میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اجازت سے پانی پینے کا جو ذکر ہوا ہے تو اس سے بھی مراد دراصل علمِ روحانی سے سیراب ہونا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوحنیفہؒ نے علم سے اپنے ساتھیوں کے علاوہ ایک امت کو سیراب کیا۔

*

رسول اللہ ﷺ نے امام ابو حنیفہؒ کو گود میں اُٹھا رکھا تھا

حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کو امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ سے بے حد عقیدت تھی اور آپ ان کے مسلک دینی کے عاشق تھے۔

اس سلسلے میں انہوں نے اپنی مشہور تصنیف "کشف المحجوب" میں اپنے ایک رویا کا بطور خاص ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے محبت و عقیدت کی وجہ دراصل ایک روحانی سیر تھی جو آپ کو رویا میں دکھائی گئی تھی۔

حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ فرماتے ہیں :

میں ملک شام میں تھا کہ ایک روز مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ، کے مزار پر گیا اور دعا و فاتحہ خوانی کے بعد وہیں میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ شام کے بجائے مکہ مکرمہ میں ہوں اور اسی شہر کا نظارہ میرے گردوپیش تھا پھر میں نے دیکھا کہ سرور کونین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر تشریف لائے مگر اس حالت میں کہ انہوں نے ایک بوڑھے کو اس طرح بازوؤں میں اُٹھا رکھا تھا۔ جیسے لوگ پیار اور شفقت کے ساتھ چھوٹے بچوں کو گود میں اٹھا لیا کرتے ہیں۔ میں یہ منظر دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر ان کی طرف دوڑا۔ میں نے جاتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں اور پاؤں کو والہانہ طور سے چوم لیا اور اُس وقت جب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بوسہ دے رہا تھا یہ خیال مجھے

پریشان کیے دیتا تھا کہ آخر یہ بوڑھا کون ہے۔ جسے حضورؐ نے بچوں کی مانند گود میں اٹھا رکھا ہے اور اس کا معاملہ کیا ہے۔

مَیں اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معجزانہ طور پر میرے دل کی بات معلوم کر لی اور میرے ذہن کے پردوں میں جو سوال پیدا ہو رہے تھے وہ ان سے آپ سے آپ آگاہ ہو گئے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے "یہ بزرگ تمہارے اور تمہارے اہل ملک کے امام ہیں ابو حنیفہ رح"

یعنی امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رح نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سنت اور طریقت کو اس طرح زندہ کیا تھا کہ رویا میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رح نے امام کو اس حالت میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انہیں محبت و شفقت کے ساتھ گود میں اٹھا رکھا تھا گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کے طریق کو پسند فرمایا اور انہیں ایک نوع کی دائمی زندگی عطا کر دی تھی۔

حضرت داتا گنج بخش رح فرماتے ہیں۔ جب میں نے یہ خواب دیکھا اور دوسرے لوگوں کو سنایا تو اہلِ شہر کو اس امر کا یقین ہو گیا کہ نہ صرف امام ابو حنیفہ رح کا طریق ہی صحیح طریق ہے بلکہ وہ ان بزرگانِ دین میں شمار ہوتے ہیں جن کے اوصاف طبعی اگرچہ فانی ہو چکے ہیں لیکن شریعت کی تعمیل کے سلسلے میں وہ غیر فانی سمجھے جاتے ہیں۔

اس رویا کے بعد مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ امام ابو حنیفہ اگرچہ جسمانی طور پر فوت ہو چکے ہیں لیکن احکام شریعت کی تجدید اور روحانی طور پر زندہ ہیں اور اس نقطۂ نظر کی دلیل یہ تھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ان کے موید تھے۔ اگر میں انہیں رویا میں چلتے ہوئے دیکھتا تو اس سے یہ اشارہ لیتا کہ وہ باقی الصفات ہیں اور ان سے خطا اور ثواب کا امکان ہے لیکن مَیں نے تو انہیں رسولؐ خدا کی گود میں دیکھا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان کا اپنا وجود تو ختم ہو چکا ہے اور اب وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کے ذریعے زندہ ہیں۔ رسول اللہؐ کے ذریعے ملنے والی زندگی چونکہ روحانی ہے اس لیے امام ابو حنیفہ رح کے مسلک روحانی میں کسی خطا کا امکان نہیں چونکہ اس رویا

کے بعد میں نہ صرف اپنے بلکہ اپنی قوم کے بارے میں بھی پُر اُمید ہو گیا، جو امام ابو حنیفہ رح کے مسلک پہ کاربند ہے۔"

حضرت علی ہجویری رح لکھتے ہیں کہ داؤد طائی رح ایک عالمِ دین تھے جب وہ علم حاصل کر کے بزرگی و پیشوائی کے مقام پر پہنچ گئے تو ایک روز امام ابو حنیفہ رح کے پاس آئے اور دریافت کیا: "میں علم حاصل کر چکا ہوں اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

فرمایا: "اب تمہیں اس علم پر عمل کرنا چاہیئے جسے تم حاصل کر چکے ہو کیونکہ عمل کے بغیر علم ایسا ہی ہے جیسے روح کے بغیر جسم۔"

☆

صرف ایک موچی کا حج قبول ہوا

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں ایک بہت بڑے فقیہہ اور محدث مانے جاتے تھے۔ زہد و ریاضت میں یگانۂ عصر تھے اور لوگ خلیفہ سے بڑھ کر ان کی عزت کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ حج کرنے مکہ گئے اور حج سے فارغ ہو کر حرم بیت اللہ ہی میں سو گئے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔ ایک فرشتے نے دریافت کیا "اس سال کتنے لوگ حج کرنے آئے۔"

دوسرے نے جواب دیا: "چھ لاکھ۔"

پہلے فرشتے نے پوچھا: "کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا؟"

دوسرے نے بتایا کہ کسی کا حج قبول نہیں ہوا۔ مگر دمشق میں ایک موچی علی بن موفق رہتا ہے۔ اس نے حج تو نہیں کیا صرف حج کی نیت کی تھی۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کا حج قبول کیا اور اس کے طفیل دوسرے لوگوں کا حج قبول ہوا ہے۔

عبداللہ بن مبارک جب بیدار ہوئے تو اس عجیب و غریب خواب نے انہیں پریشان کر دیا وہ اس موچی کی تلاش میں دمشق پہنچ گئے اور آخر اس کو تلاش کر لیا۔ آپ نے علی بن موفق کو قبول حج کی مبارکباد پیش کی۔ جس پر موچی نے کہا کہ میں نے تو حج کیا ہی نہیں۔ عبداللہ بن مبارک نے بتایا: "یہی تو کمال ہے کہ ادائیگی حج کے بغیر ہی تمہارا حج نہ صرف قبول ہوا بلکہ

تمہارے طفیل دوسرے لوگوں کا حج بھی تسلیم ہوا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ جب تم نے حج کی نیت کی تھی۔ تو حج کرنے کیوں نہیں گئے تھے؟"

علی نے بتایا کہ میں نے ساری عمر چیڑا سی کر حج پر جانے کے لیے کچھ رقم جمع کی تھی اور اس سال حج کا ارادہ کر لیا تھا کہ ایک روز میری بیوی نے پڑوسی کے گھر سے تھوڑا سا سالن مانگا۔ پڑوسی کے گھر میں گوشت پکا تھا۔ لیکن اس کی بیوی نے بتایا کہ یہ گوشت تم پر حلال نہیں ہے۔ جب میری بیوی نے وجہ پوچھی تو ہمسائی نے کہا: "ہم نے سات روز فاقہ کیا ہے اب بچے مزید فاقہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے آج ہم نے زندہ رہنے کے لیے مردار پکایا ہے۔"

جب میں نے یہ بات سنی کہ میرے پڑوسی سات روز سے فاقہ کر رہے ہیں تو میں خوفِ خدا سے کانپ اٹھا اور حج کے لیے جتنی رقم جمع کر رکھی تھی۔ سب کی سب اپنے پڑوسی کو دے دی تاکہ وہ اسے اپنے بچوں پر خرچ کر سکے۔

عبداللہ بن مبارک بولے۔ "لاریب فرشتے نے سچ کہا تھا۔ علی نے خدا کے خوف سے جو کام کیا وہ حج سے بڑھ کر تھا۔ اسی لیے اس کا حج قبول ہوا۔"

❖

داتا گنج بخشؒ قوالی سن کر تڑپ اُٹھے

ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدانؒ ایک والیٔ ریاست تھے اور ان کا تعلق نیشا پور سے تھا۔ مگر حق تعالیٰ نے انہیں یہ سعادت بخشی کہ وہ تاج و تخت کو چھوڑ کر راہ طریقت پر گامزن ہوئے اور "رئیس الاولیا" کا خطاب پایا۔

شیخ المشائخ ابو سعیدؒ کہتے تھے۔

"ہم فقیروں کو حق تعالیٰ کی درگاہ تک فقیروں کے راستے رسائی حاصل ہوئی، لیکن مظفر بن احمد خوش قسمت ہیں کہ وہ خداوندی یعنی حکومت کی راہ سے وہاں تک پہنچ گئے۔"

ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ درویش اور فقیر مجاہدے کرتے ہیں اور تب کہیں جا کر مشاہدۂ حق سے سرفراز ہوتے ہیں اور یہی فقیری کا راستہ ہے۔ لیکن مظفر بن احمد کا درجہ اس لیے منفرد اور بلند ہے کہ انہوں نے حکومت چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایک بار میں گرمیوں میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گرمی کے باعث طبیعت بوجھل تھی اور بدن میں تھکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔ سفری لباس میں پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر شیخ بولے۔

"اس وقت تم کیا چاہتے ہو۔"

میں نے بے ساختہ جواب دیا۔ حضرت! میں سماع کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں تاکہ

طبیعت کا اضمحلال ختم ہو۔"

انہوں نے اسی وقت آدمی بھیج کر قوال بلائے اور محفل سماع برپا کی۔ قوالوں کا سُن کر کچھ اہل ثروت بھی وہاں پہنچ گئے۔ مگر مَیں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی۔ اس وقت مَیں نوجوان تھا اور لڑکپن کی گرمی اور عشق الٰہی کا جذبہ بڑی شدت کے ساتھ موجزن تھا۔ جب قوالی شروع ہوئی تو قوالوں کے اشعار نے میرے دل پر خاص اثر کیا اور مَیں تڑپ کر رہ گیا کافی دیر تک یہی کیفیت رہی اور جذب و کیف کے عالم میں رہا۔

جب یہ کیفیت کسی قدر کم ہوئی تو شیخ مظفر نے دریافت کیا: "سماع کی یہ محفل کیسی تھی؟"

مَیں نے عرض کیا۔

"یا حضرت! مَیں بے حد لطف اندوز ہوا ہوں۔"

فرمایا: "درست ہے کہ سماع نے تمہیں مزا دیا ہے۔ لیکن ایک وقت آئے گا جب تم مغنی کی آواز اور کوّے کی آواز میں کوئی فرق محسوس نہ کرو گے۔ کیونکہ سماع کی لذت اسی وقت ہوتی ہے جب مشاہدہ کی قوت نہ ہو۔"

پھر انہوں نے مجھے یہ نصیحت کی کہ سماع کو عادت کے طور پر ہرگز اختیار نہ کرنا، ورنہ تم اس چیز سے محروم رہ جاؤ گے جو تمہاری مقصود و مطلوب ہے۔

⁂

حضرت ابوحنیفہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ

امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رح کا اُمت میں جو مقام ہے وہ کسی صاحب علم سے مخفی نہیں وہ آئمہ اربعہ میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت میں چار مذہب رائج ہیں

۱۔ حنفی امام ابوحنیفہ رح کے پیروکار

۲۔ شافعی امام شافعی رح کے پیروکار

۳۔ حنبلی امام احمد بن حنبل رح کے پیروکار

۴۔ مالکی امام مالک رح کے پیروکار

امام اعظم رح کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت انہی کے طریق پر عمل پیرا ہے اس کے بعد امام شافعی رح کو دوسرا درجہ حاصل ہوا۔

ابوحنیفہ رح نے فقہی مسائل کو عرفان و بصیرت کی جس روشنی میں حل کیا اور قرآن کی شریعت کو عملی طور پر رائج کرنے کے لیے جو اصول و قواعد مدوّن کیے ان کا حال "فقہ اکبر" سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بہر حال اس امر سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ فقہی مسائل میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا اور انہوں نے اپنے شاگردوں کا ایک ایسا وسیع حلقہ پیدا کیا۔ جن کی وساطت سے ان کا طریق جمہور مسلمانوں میں رائج ہو گیا۔

امام ابوحنیفہ رح اگرچہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور وہ شہرت پسند علماء کی طرح اپنے ارد گرد شاگردوں کا حلقہ لے کر نہیں چلتے تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں

جو شہرت حاصل ہوئی اور ان کے علم و عرفان کی بدولت عوام میں جو عزت و تکریم کی جاتی تھی۔ اس کی مثال ذیل کے واقعہ سے ملتی ہے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ امام ابو حنیفہ رح شہر کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے کیچڑ اور پھسلن ہو رہی تھی۔ جس سے پھسل جانے کا اندیشہ تھا۔ اُن کے آگے آگے ایک نوجوان بڑی تیزی اور بے پروائی سے چلا جا رہا تھا۔ امام نے از روئے نصیحت کہا کہ احتیاط سے اور آہستہ چلو ورنہ پھسل جاؤ گے۔ نوجوان نے امام کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔

"حضرت" میری فکر نہ کیجیے مَیں اگر گر بھی پڑا تو اکیلا ہی گروں گا، البتہ آپ کو ضرور احتیاط سے چلنا چاہیے کیونکہ اگر آپ پھسل گئے تو پوری قوم پھسل جائے گی۔"

اس واقعے میں جہاں امام کی عظمتِ دینی کا اعتراف کیا گیا ہے۔ وہاں یہ بصیرت آموز پہلو بھی موجود ہے کہ علمائے کرام اور قوم کے رہنماؤں کو ہر معاملے میں حزم و احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ کیونکہ ان کا ایک غلط قدم پوری قوم کے لیے مصیبت و پریشانی کا باعث بن سکتا ہے۔

کہتے ہیں جب امام ابوحنیفہ رح نے نوجوان کی زبان سے یہ جواب سُنا تو گہری سوچ میں کھو گئے اور انہوں نے شکر ادا کیا کہ امّت میں انہیں بھی احتیاط کا سبق دینے والے پائے جاتے ہیں اس واقعہ کا جو بظاہر معمولی معلوم ہوتا۔ امام اعظم رح کی زندگی پر گہرا اثر پڑا اور پھر انہوں نے کوئی قدم سوچے سمجھے بغیر نہیں اٹھایا۔

⁂

ڈاکوؤں کا سردار ولی اللہ بن گیا

حضرت فضیل بن عیاضؒ اپنی جوانی کے زمانے میں رہزن اور ڈاکو تھے اور مرو اباورد کے درمیان سفر کرنے والے لوگوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔

رہزن اور ڈکیتی کے وقت بھی اُن میں ایک عجیب قسم کی بلند نظری پائی جاتی تھی اور وہ بہادری کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ مثلاً غریبوں کو نہیں لوٹتے تھے۔ جس مسافر کے پاس رقم تھوڑی ہوتی اس سے بھی تعرض نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اُن کی فطرت میں نیکی کا میلان یہاں تک پایا جاتا تھا کہ اگر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کسی قافلہ کو گھیر لیتے اور اس قافلہ میں کوئی جوان عورت ہوتی تو اس کے قریب تر نہ جاتے تھے۔

فضیل بن عیاض نہ صرف رہزن تھے بلکہ رہزنوں اور ڈاکوؤں کے سردار تھے اور دُور دُور تک ان کے نام کی دہشت بیٹھی ہوئی تھی۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ مرو کا کوئی مشہور سوداگر تجارتی قافلہ لے کر شہر سے روانہ ہوا تو بعض آدمیوں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے حفاظتی دستہ تو اپنے ساتھ لیا نہیں اور رستے میں فضیل موجود ہے وہ تمہارے قافلے کو کیسے گزرنے دے گا۔

سوداگر نے جواب دیا۔

"مجھے فضیل سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ میں نے سُنا ہے وہ ایک خداترس اور نیک فطرت آدمی ہے۔"

سوداگر نے حفاظتی دستہ کے بجائے ایک خوش الحان قاری اپنے ہمراہ لیا اور اُسے اُونٹ پر سوار کرانے کے بعد کہا کہ وہ اونٹ پر بیٹھا دن رات قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہے۔ چنانچہ آغازِ سفر کے ساتھ ہی قاری نے بڑی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت شروع کر دی اور اس طرح یہ قافلہ ایک عجیب تقدس اور تاثر کے سایہ میں روانہ ہوا حتیٰ کہ اُس دشت میں جا پہنچا جہاں فضیل اپنے ڈاکوؤں کے ہمراہ گھات لگا کر بیٹھا رہتا تھا۔

ڈاکوؤں نے دُور ہی سے قافلے کو آتے ہوئے دیکھ لیا اور اپنی تجربہ کاری سے یہ بھی سمجھ گئے کہ یہ کوئی تجارتی قافلہ ہے اور خوب دولت ہاتھ لگے گی، لیکن جونہی قافلہ قریب آیا انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت کی مسحور کُن آواز سُنی اُس وقت قاری یہ آیت پڑھ رہا تھا۔

"کیا اہل ایمان کے لیے وہ ساعت قریب نہیں آئی کہ ان کے دل ذکر الٰہی کے سامنے جھک جائیں۔" (سورۂ الحدید آیت ۱۶)

جب فضیل بن عیاضؒ نے یہ الفاظ سُنے تو اُن کے دل پر ایک عجیب رقت طاری ہو گئی۔ انہوں نے اُسی لمحے رہزنی اور ڈکیتی سے توبہ کر لی۔ نہ صرف اُس قافلہ کو عافیت کے ساتھ گزر جانے دیا۔ بلکہ جن لوگوں کا سامان لُوٹ لُوٹ کر جمع کر رکھا تھا۔ انہیں خط لکھ لکھ کر بلایا اور سامان واپس کر دیا۔ بلکہ ان کی خاطر داری اور خوشنودی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پھر وہ مکہ چلے گئے اور عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد کوفہ پہنچے۔ جہاں انہوں نے امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ سے علم طریقت حاصل کیا اور رموز معرفت میں کمال کو پہنچے۔

٭٭

امام احمد بن حنبلؒ پر کوڑے برسائے گئے

یہ سُنتِ الٰہی قدیم سے چلی آتی ہے کہ خدا کے نیک اور راست باز انسان راہِ حق میں آزمائے اور ستائے جاتے ہیں۔ اہلِ زمانہ کی طرف سے اُن پر سختیاں کی جاتی ہیں۔ لیکن ان کے قدم جادۂ استقامت سے نہیں ہٹتے۔ حتٰی کہ وہ اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ یہود نامسعود نے حضرت مسیحؑ کے ساتھ کیسی کیسی گستاخیاں کیں۔ پھر یزید کے لشکروں نے حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقاء پر کیسے کیسے مظالم ڈھائے۔ اس کے باوجود وہ اپنے مسلک پر قائم رہے اور حق کی خاطر قربان ہو گئے۔

حضرت امام بن حنبلؒ کا اسم گرامی بھی ایسے بزرگوں میں شامل ہے جو اہلِ اقتدار کے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ مگر انہوں نے اپنے مسلک کو نہ چھوڑا۔

یہ اُس زمانے کا ذکر ہے۔ جب بغداد میں معتزلہ کا زور تھا اور بہت سے فروعی مسائل پیدا ہو گئے تھے۔ عباسی خلیفہ مامون الرشید اپنے علم وفضل کے باوجود خلقِ قرآن کا قائل تھا اور اس عہد کے تمام علماء سے اس عقیدہ کو منوانا چاہتا تھا اگرچہ بہت سے علمائے نے اس کے سخت احکامات کے پیشِ نظر اپنی جان بچانے کی کوشش کی اور قرآن کو "مخلوق" تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے اس عقیدے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اُس وقت وہ بڑھاپے کے باعث جسمانی طور پر بھی بہت کمزور ہو چکے تھے۔

لیکن ظالموں کو اُن کے بڑھاپے پر بھی ترس نہ آیا۔ اُن کے ہاتھ شکنجے میں کس دیئے اور ان پر کوڑے برسائے گئے۔ حکم یہ تھا کہ اگر وہ خلقِ قرآن کا اقرار کرلیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے۔ بصورت دیگر ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں۔

کہتے ہیں جب اُن کے جسم پر کوڑے برسائے جا رہے تھے تو ان کا ازار بند کھل گیا۔ ان کے ہاتھ چونکہ شکنجے میں بندھے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ اپنے ستر کی حفاظت نہ کر سکتے تھے لیکن عین موقع پر دو ہاتھ غیب سے نمودار ہوئے اور ان کا ازار بند باندھ دیا۔ اُن پر سختی کرنے والوں نے جب یہ کرامت دیکھی تو خوفزدہ ہو کر انہیں کھول دیا۔ لیکن وہ زخموں سے اتنے چور ہو چکے تھے کہ گر پڑے اور اسی عالم میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

اہلِ سنت والجماعت میں جو مذاہب اربعہ رائج ہیں (حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی) اُن میں سے ایک طریق امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہے وہ اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ حتیٰ کہ انہیں حافظِ حدیث کہا جاتا ہے۔

یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ قرآن مجید کے حفاظ تو بہت تھے اور آج بھی ہزاروں لوگوں کو قرآن حکیم حفظ ہے۔ لیکن حافظِ حدیث ہونا ایک ایسا امتیاز ہے جو بہت ہی کم بزرگوں کو حاصل ہو سکا اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو یہ اعزاز حاصل تھا۔ اگرچہ معتزلہ اور مشبہین نے ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کی ہیں۔ لیکن امام ان تمام الزامات سے بری اور صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔

❖

سلام کرنے کے آداب

حضرت عبد القادر جیلانی رح مسلمانوں کی مجلسوں کے آداب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " مجلس کی ابتدا اسلام کے ساتھ ہونی چاہیے اور محفل میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کا جواب دینا چاہیئے۔ سلام کہنے والا تو السلامُ علیکم کہے یا صرف سلامُ علیکم کہے ان سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ اگر وہ سلام کے ساتھ کسی اور چیز کا اضافہ کرنا چاہے تو زیادہ سے زیادہ، السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ" کہہ سکتا ہے اور ان الفاظ سے زائد الفاظ استعمال کرنا درست اور صحیح نہیں۔ اس ضمن میں وہ حضرت عمران بن معین رض فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں ایک دیہاتی آدمی آیا اور کہا " السلامُ علیکم "، آپؐ نے جواب دیا۔" وعلیکم السلام" جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا۔ اس آدمی نے دس نیکیاں حاصل کر لی ہیں۔ اس کے بعد ایک اور آدمی آیا اور کہا: " السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "، آپؐ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا کہ اس آدمی نے تیس نیکیاں حاصل کر لی ہیں۔

سلام کہنے کے بارے میں سنّت یہ ہے کہ پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور سوار پیدل چلنے والے اور بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اسی طرح اگر بہت سے لوگ جا رہے ہوں تو ان میں سے صرف ایک آدمی کا سلام کہنا کافی ہے اور اسی طرح جواب دینے والے لوگ بھی اگر زیادہ ہوں تو ان میں سے بھی ایک آدمی کا جواب دینا کافی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ مشرکوں اور کافروں کو سلام کرنے میں پہل نہ کریں، ہاں البتہ اگر وہ سلام کریں تو ان کو سلام کا جواب دینا چاہیئے اور اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو "السلام علیکم" کے بجائے صرف "سلام" کا لفظ کہے تو اس کا جواب نہیں دینا چاہیئے اور اس کو بتا دینا چاہیئے کہ اسلام نے اس طرح سلام کرنا نہیں سکھایا عورتوں کا ایک دوسرے کو سلام کہنا پسندیدہ ہے اور آدمیوں کا جوان عورت کو سلام کہنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ بچوں کو سلام کہنا بھی مستحب ہے۔ کیونکہ اس طرح ان کو محفل کے آداب کا پتہ چلتا ہے اور جب کوئی آدمی مجلس میں کھڑا ہو تو اس کو مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کہنا چاہیئے اگر دو شخصوں کے درمیان سلام کہنے کے وقت دیوار حائل ہے تو سامنے آنے پر دوبارہ سلام کہنا چاہیئے۔

جو لوگ گناہوں میں مشغول ہوں مثلاً شطرنج یا نرد کے ساتھ کھیل رہے ہوں، شراب پی رہے ہوں، اخروٹ کھیل رہے ہوں یا جوئے میں مشغول ہوں ان کو سلام نہیں کہنا چاہیئے۔ ہاں اگر وہ سلام کہیں تو جواب دے دینا چاہیئے، لیکن ایسے لوگوں کو گناہوں سے نفرت دلانے کے لیے سلام کا جواب نہ دینا بھی درست ہے۔"

⁂

ذوالنونؒ مصری کی دُعا

حضرت ذوالنون مصریؒ کا اصل نام قربان بن ابراہیم تھا۔ نوبا کے علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ولایت اور کرامت سے بہرہ ور کئے گئے تھے۔ مگر ان کی سادگی اور قناعت کا یہ عالم تھا کہ اہلِ مصر ان پر حیرت و تعجب کا اظہار کرتے تھے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ ذوالنون مصریؒ کشتی میں دریائے نیل کی سیر کر رہے تھے کہ ایک دوسری کشتی بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس کشتی میں مصر کے بے فکرے آدمی عیش و طرب میں مشغول اور غل غپاڑ مچا رہے تھے۔ جیسے اس قسم کے لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ ان کی حرکات اور شور و غل سے ذوالنونؒ کے شاگردوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ بڑی کوفت ہوئی اور کہنے لگے۔

"حضرت: دُعا کیجیے کہ ان کی کشتی نیل میں غرق ہو جائے تاکہ دوسرے لوگوں کو ان کے شر اور نحوست سے نجات ملے۔"

شاگردوں کی اس درخواست پر ذوالنونؒ کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے لگے۔

"اے خدا! جیسے تو نے ان لوگوں کو اس دنیا میں عیش و طرب عطا کر رکھا ہے۔ اس طرح جہانِ آخرت میں بھی انہیں عیش و نشاط فرما۔

یہ دُعا سُن کر شاگرد بہت حیران ہوئے کہ ہم نے تو ان لوگوں کے لیے بد دُعا کی درخواست۔

کی تھی کہ وہ غرق نیل ہو جائیں۔ لیکن شیخ اس کے برعکس ان کے لیے عیش و راحت کی دُعا مانگ رہے ہیں۔ بہر حال ان لوگوں کی کشتی اور قریب آئی اور جب وہ کنارے پر پہنچے تو انہوں نے ذوالنون رحؒ کو دیکھا اور رونے لگے۔ اس کے بعد تمام ساز اور لہو و لعب کا سارا سامان توڑ پھوڑ دیا اور حضرت کے ہاتھ پر مکروہات سے توبہ کر لی۔

یہ ایک عجیب واقعہ تھا۔ جس پر ذوالنون مصری رحؒ نے اپنے شاگردوں کو سمجھایا کہ جب مَیں نے ان لوگوں کے حق میں دُعا کی تھی کہ الٰہی! تو انہیں آخرت میں بھی ایسی ہی خوشیاں عطا فرما۔ جیسے تو نے انہیں دنیا میں عطا کر رکھی ہیں تو اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں اسی دُنیا میں توبہ کی توفیق عطا فرما تا کہ انہیں آخرت میں تیری نعمتیں میسر آسکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا قبول فرمائی اور ان لوگوں کے دل میں دُنیا سے نفرت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ وہی لوگ جو تھوڑی دیر پہلے لہو و لعب میں مصروف تھے۔ دُنیا کے عیش و طرب سے دل برداشتہ ہو کر تائب ہو گئے اور انہوں نے خدا کی رضا کو اپنا لیا۔

حضرت ذوالنون مصری رحؒ کا یہ فعل پیغمبر خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اعلیٰ پیروی کی دلیل ہے۔ جس طرح حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کفار کی تباہی و بربادی کے بجائے یہ دُعا مانگا کرتے تھے کہ خدا انہیں نیکی اور ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ اس طرح ذوالنون رحؒ نے بھی عیش پرستوں کی غرقابی کے بجائے ان کے ساحل مراد پر پہنچنے کی دُعا مانگی تھی۔

ہم تیرے بغیر جنّت میں نہیں جائیں گے

ہندوانہ رسم و رواج کی وجہ سے جنہیں خاص طور پر شہنشاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں مسلمانوں نے اپنانا شروع کر دیا تھا۔ توحید و رسالت ؐ کے بارے میں بھی غلط توجیہات کا آغاز ہو گیا تھا۔ جنہیں مجدّد الف ثانی دُور کرنا چاہتے تھے۔ اُن میں بادشاہ کو تعظیمی سجدہ اہلِ حق کے نزدیک شرک کی علامت تھا۔ جس سے انکار کر کے حضرت نے اہلِ ہند کے سامنے ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا تھا۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جب امام ربانی نے جہانگیر کے دربار میں تعظیمی سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں بادشاہ کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا تو شہزادہ خرم نے جو بعد میں شاہجہان کے لقب سے ہندوستان کے تخت پر بیٹھا اور ایامِ شہزادگی ہی میں حضرت سے عقیدت رکھتا تھا۔ اپنے دو آدمیوں افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمٰن کو ان کی خدمت میں بھیجا اور فقہ کی دو کتابیں بھی ساتھ روانہ کیں، جن میں تعظیمی سجدہ کا جواز پیش کیا گیا تھا اور یہ پیغام بھجوایا کہ حضرت ملاقات کے وقت بادشاہ کو سجدہ کر لیں تو مَیں اس امر کا ذمّہ لیتا ہوں کہ آپ کو ہرگز ہرگز کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے گی۔

حضرت نے جواب دیا: "بے شک جان بچانے کے لیے یہ بھی جائز ہے، لیکن توحید کا تقاضا یہی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔" اور آپ اسی مسلک پر قائم رہے۔۔۔"

مہابت خاں کی بغاوت اور جہانگیر اور نور جہاں کی اسیری کے بعد اگر حضرت مجدّد چاہتے

تو کاروبارِ حکومت بھی سنبھال سکتے تھے۔ مگر وہ ملکی حالات کو درہم برہم کرنا نہیں چاہتے تھے
چنانچہ انہی کی ہدایت پر مہابت خاں نے نہ صرف بادشاہ اور ملکہ کو رہا کر دیا۔ بلکہ پہلے کی طرح
اظہارِ اطاعت بھی کیا۔ اس واقعہ سے حضرت مجددؒ کی بے غرضی اور اصول پرستی واضح ہو گئی
اور بادشاہ بھی دل سے اُن کا حلقہ بگوش ہو گیا، چنانچہ کشمیر کے سفر کے دوران دو مرتبہ جہانگیر
نے از راہِ عقیدت حضرت کے لنگر سے کھانا کھایا۔ آخری عمر میں بادشاہ کہا کرتا تھا۔
"میں نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ جس سے آخرت میں بخشش کی اُمید کر
سکوں لیکن میرے پاس حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی ایک دستاویز ہے۔ روزِ قیامت وہی
خدا کے حضور پیش کر دوں گا۔ اُس دستاویز کے مطابق امام ربانی نے ایک دن فرمایا تھا اگر
اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں لے جائے گا تو ہم تیرے بغیر نہیں جائیں گے۔"
کہاں تو جہانگیر تعظیمی سجدہ سے انکار پر حضرت کے قتل پر تیار ہو گیا تھا اور کہاں اُن
سے عقیدت کا جذبہ۔ یہ سب کچھ مجددؒ کا روحانی کرشمہ تھا۔

٭

حضرت بختیار کاکیؒ نے عورت کو طلاق دیدی

حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہٗ کا شمار اولیائے کبار میں ہوتا ہے جن سے بڑے بڑے علماؒ اور بزرگوں نے فیضِ روحانی حاصل کیا۔

ان کے بارے میں روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ رئیس نام کے ایک شخص نے حضرت خواجہؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسی رات عجیب وغریب خواب دیکھا۔ خواب میں رئیس کو عالیشان اور پُر نور گنبد نظر آیا۔ جس کے ارد گرد بے شمار لوگ جمع تھے۔ چھوٹے قد کا ایک شخص بار بار اس گنبد کے اندر جاتا اور باہر آتا تھا۔ پھر لوگوں سے ملتا، گفتگو کرتا اور اندر جاتا تھا۔

رئیس نے حالتِ خواب میں پوچھا کہ یہ چھوٹے قد کا آدمی کون ہے اور بار بار اس گنبد کے اندر کیوں جاتا ہے۔ کسی نے جواب دیا کہ ان کا نام عبداللہ ابن مسعودؓ ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی ہیں اور لوگوں کے پیغامات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچا رہے ہیں جو اس گنبد کے اندر تشریف فرما ہیں اور ان کے جوابات لاکر لوگوں کو سناتے ہیں۔ یہ سُن کر رئیس عبداللہ ابنِ مسعودؓ کے پاس پہنچا اور کہا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کریں کہ میں انکی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔"

ابنِ مسعودؓ گنبد کے اندر گئے اور جب باہر آئے تو انھوں نے بتایا: "رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ابھی تم میں اتنی اہلیت پیدا نہیں ہوئی کہ مجھے دیکھ سکو، البتہ تم ایک کام کرو،

بختیار کاکی کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ تم ہر رات درود کا جو تحفہ بھیجتے ہو۔ وہ باقاعدہ مل رہا تھا۔ لیکن تین روز سے وہ تحفہ نہیں پہنچ رہا۔

رئیس بتاتا ہے جب میں بیدار ہوا تو اس عجیب خواب کا اثر طبیعت پر تھا۔ میں اسی روز حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اپنا خواب بیان کیا اور جب یہ بتایا کہ آپ کا تحفہ درود تین دن سے سرورِ کائناتؐ تک نہیں پہنچا یہ سنتے ہی حضرت شیخ کی حالت متغیر ہوگئی اور بے حد پریشان نظر آنے لگے۔ انہوں نے بتایا کہ تین روز قبل ایک عورت سے نکاح کیا تھا اور ان ایام میں اس کی طرف متوجہ رہا ہوں۔ پھر حضرت نے اسی وقت اس عورت کو اپنے روبرو بلوایا۔ جس سے شادی کی تھی۔ اس کا حق مہر ادا کیا اور طلاق دے دی۔ کیونکہ اسی کی طرف متوجہ ہو جانے کی وجہ سے حضرت بختیار کاکیؒ حضرت سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں درُود کا تحفہ نہیں بھیج سکے تھے۔ سو آپ نے اس عورت سے نجات حاصل کر لی جو ان کے روحانی تعلق میں حائل ہو گئی تھی۔

❖

آسمان پر ان کے لیے خلعت شہادت سِل رہا تھا

غزنی کے شمس العارفین عبدالواحدؒ ایک صاحب کرامت بزرگ تھے ان کے نواسے مولانا حسام الدین بھی غزنی کی ایک مشہور شخصیت تھے۔ انہیں خواجہ اجل شیرازیؒ سے عقیدت و ارادت تھی اور وہ انہی کے مرید تھے۔

خواجہ اجل شیرازیؒ غزنی میں اپنے علم معرفت اور کشف و کرامت کے لیے شہرت رکھتے تھے اور ان کی ذات سے ایسی ایسی عجیب اور ماخوق العادت باتیں ظہور میں آتی تھیں کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ بعض اوقات وہ کھڑے کھڑے کوئی نظارہ دیکھتے اور اسی وقت لوگوں کو اُس سے آگاہ کر دیتے پھر کچھ عرصے بعد وہ بات جوں کی توں پوری ہو جاتی تھی یہی وجہ تھی۔ اُن کے مریدوں اور شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔

ایک مرتبہ مولانا حسام الدین اپنے ایک دوست کے ہمراہ خواجہ اجل شیرازیؒ کی خانقاہ میں گئے اور دونوں دوست ان کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ خواجہ نے ان کی طرف دیکھا پھر آسمان کی طرف نگاہ دوڑائی اور چند لمحوں کے استغراق کے بعد دوبارہ اُن دونوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب ان کی کیفیت پہلے سے بہت مختلف تھی۔ انہوں نے جوش کے عالم میں فرمایا۔

"اس وقت آسمان پر تم دونوں میں سے ایک کے لیے شہادت کا خلعت سیا جا رہا ہے اور بہت جلد وہ خلعت تیار ہو کر زمین پر آجائے گا۔

دونوں دوستوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا خواجہ شیرازی نے یہ

وضاحت نہیں کی تھی کہ خلعتِ شہادت کس کے لیے سِل رہا ہے۔ جب دونوں دوست ان کی خانقاہ سے باہر نکلے تو آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ معلوم نہیں ہم دونوں میں سے شہادت کا درجہ کس کی قسمت میں لکھا گیا ہے۔ شہادت کی موت چونکہ ایک خاص رتبہ رکھتی ہے۔ اس لیے دونوں ہی اُس کے طلب گار تھے۔

مولانا حسام الدین ایک خطیب اور واعظ بھی تھے۔ چند روز کے بعد وہ ایک دن وعظ بیان کرنے کے بعد منبر سے اُترے تو عقیدت مندان کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگے۔ اسی اثنا میں ایک شخص ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور چھری نکال کر ان پر حملہ آور ہوا مولانا زخم کھانے کے بعد زمین پر گرے زخم کاری تھا۔ جب انہیں گھر پہنچایا جا رہا تھا اُن کا سانس چل رہا تھا۔ اُسی حالت میں انہوں نے ایک شخص کو پیغام دیا کہ وہ میرے دوست کو جا کر بتا دے کہ شہادت کا خلعت آسمان پر میرے لیے سِل رہا تھا اور مجھے مل گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کی زبان کو گنگ کر دیا

شیخ ابوالحسن سمنون بن عبداللہ الخواص بغداد کے ایک صاحب کرامت بزرگ تھے مگر جیسا کہ دستور ہے پھول کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ بغداد میں غلام الخلیل نام کا ایک ریاکار شخص ان کا سخت مخالف ہی نہیں تھا بلکہ اس نے سمنون بن عبداللہ کو ایذا دینے اور ستانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا حتیٰ کہ یہ بدفطرت خلیفہ کے دربار میں رسائی حاصل کرکے ان کے خلاف جھوٹی شہادتیں دینے اور انہیں نقصان پہنچانے کی کوششوں سے بھی باز نہ رہا۔

غلام الخلیل نے پارسائی اور تصوّف کا ریاکارانہ نقاب اوڑھ رکھا تھا اور شعبدہ بازی دکھا کر "بزرگ" بن بیٹھا تھا۔ جس طرح موجودہ زمانے میں بھی بے شمار جعلی پیر لوگوں کو دھوکا دے کر اپنی بزرگی کا دام پھیلاتے اور عوام کو لوٹتے ہیں۔ بہت سے آدمی غلام الخلیل کے شعبدوں سے متاثر ہو کر اس کے مرید بن بیٹھے تھے۔ اس طرح اس ریاکار شخص نے بغداد میں اچھی خاصی شہرت حاصل کر لی تھی۔

جب شیخ سمنون بن عبداللہ نے بغداد میں معرفت و تصوّف کا درس شروع کیا اور اہلِ بغداد ان کے گردیدہ ہو گئے تو غلام الخلیل کو اپنی شہرت ماند پڑتی نظر آئی ہے اور اس نے سمنون کے خلاف اپنی سازشوں کا آغاز کر دیا۔

کہتے ہیں سمنون بلا کے حسین اور خوبصورت تھے ایک جوان عورت نہ صرف ان کے مردانہ جمال پر فریفتہ ہو گئی بلکہ اس نے نکاح کا پیغام بھی دیا۔ جسے سمنون نے مسترد کر دیا۔ عورت کو

بڑا دکھ ہوا۔ جب اس کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی تو سیدھی حضرت جنید بغدادی رح کے پاس پہنچی اور بولی "سمنون کو ہدایت کیجیے کہ وہ مجھ سے شادی کرلے۔"

شیخ جنیدؒ کو یہ بیبا کی بڑی ناگوار گزاری۔ انہوں نے عورت کو جھاڑ دیا کہ کیسی بے حیائی کی باتیں کرتی ہے۔ اس پر وہ عورت سمنون کی دشمن ہو گئی اور غلام الخلیل کے پاس چلی گئی۔ اس نے جھوٹی تہمت لگائی کہ سمنون نے اس کے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے۔ غلام الخلیل کو اور کیا چاہیئے تھے۔ اس نے فوراً خلیفہ تک شکایت پہنچائی اور اس طرح کان بھرے کہ سمنون بن عبداللہ کے قتل کا حکم جاری کرا دیا۔ بغداد میں شور بپا ہو گیا۔ لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ سمنون کو گرفتار کر لیا گیا اور جب جلاد نے ان کی گردن پر تیغ چلانے کے لیے خلیفہ کے حکم کا انتظار کیا تو خلیفہ کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان گنگ کر دی۔ اسی رات خلیفہ نے خواب دیکھا کوئی کہہ رہا تھا۔ "سمنون کا قتل تیری سلطنت کا زوال ہو گا۔"

اس حیرت انگیز واقعے سے شیخ ابوالحسن سمنون بن عبداللہ کی بے گناہی ثابت ہو گئی اور ان کی موت کا سانحہ ٹل گیا۔ بلکہ خلیفہ نے ان سے معافی مانگی اور انہیں عزت و احترام سے رخصت کیا۔ بعد ازاں پتا چلا کہ یہ ساری شرارت ایک جوان عورت کی تھی۔ جس نے غلام الخلیل کو اپنا آلۂ کار بنایا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کرامت میں سمنون بن عبداللہ کی بے گناہی کے علاوہ حضرت جنید بغدادیؒ کی دعا بھی کارفرما تھی۔

❁

وہ شاہی محل کی چھت پر اپنا اونٹ تلاش کر رہے تھے

حضرت ابراہیم ادھمؒ جو بلخ کے بادشاہ تھے۔ اپنے زمانے کے بہت مشہور ولی اور صاحبِ کرامت بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ ۱۰۷ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۱۸ھ کو شام میں فوت ہو گئے۔

بلخ کے حکمران کی حیثیت سے آپ شاہانہ زندگی بسر کرتے اور شان و شوکت سے رہتے تھے۔ ایک رات محوِ خواب تھے کہ اچانک آنکھ کھل گئی۔ پتا چلا کہ کوئی شخص محل کی چھت پر ٹہل رہا ہے اور اُسی کے قدموں کی دھمک سے آپ نیند سے بیدار ہوئے ہیں۔ آپ نے اوپر جا کر اس آدمی سے پوچھا۔

"تو کون ہے اور آدمی رات کے وقت چھت پر کیا کر رہا ہے؟"

اس آدمی نے جواب دیا: "مَیں آپ کا دوست ہوں اور یہاں اپنا اونٹ تلاش کر رہا ہوں۔"

آپ حیران ہو کر بولے: "یہ کیسے ممکن ہے کہ اونٹ شاہی محل کی چھت پر آ جائے؟"

وہ آدمی کہنے لگا: "اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہیں عیش و عشرت کی زندگی میں خدا مل جائے۔"

یہ جواب سُن کر آپ کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ دوسرے روز آپ نے دربارِ عام منعقد کیا اور شاہانہ جلال کے ساتھ تخت پر رونق افروز ہوئے۔ یک لخت ایک بارعب آدمی اندر آیا اور سیدھا تخت کے پاس چلا آیا۔ آپ نے پوچھا: "تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟"

اس نے بتایا: "میں مسافر ہوں اور کچھ دن اس سرائے میں قیام کرنا چاہتا ہوں۔"
ابراہیم ادھم نے کہا: "یہ سرائے نہیں شاہی محل ہے۔"
اس نے پوچھا: "تم سے پہلے یہاں کون رہتا تھا؟"
"میرا باپ۔" ابراہیم نے جواب دیا۔
"اور اس سے پہلے؟"
"میرا دادا۔"

پھر اس نامعلوم شخص نے دریافت کیا کہ تمہارے بعد یہاں کون رہے گا؟ جب ابراہیم ادھم نے جواب دیا کہ میری اولاد، تو وہ آدمی کہنے لگا: "تم خود ہی سوچو۔ جس محل میں اتنے آدمی آئیں اور چلے جائیں اور یہاں مستقل قیام نہ کر سکیں۔ پھر یہ محل سرائے نہیں تو اور کیا ہے؟"

یہ کہہ کر وہ شخص باہر نکل گیا۔ آپ کو ہوش آیا تو اس کے پیچھے بھاگے اور پوچھا: "یہ تو بتائے جاؤ تم کون ہو؟"

اس نے جواب دیا: "میں خضر ہوں۔"

ابراہیم ادھم پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ اس واقعے کے بعد آپ نے تختِ حکومت پر لات ماری۔ شاہی محل چھوڑ کر فقیرانہ لباس میں جنگلوں کی طرف نکل گئے اور عبادت و ریاضت کے بعد درجہ ولایت کو پہنچے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ امامِ اعظم حضرت ابوحنیفہ رح کی مجلس میں آئے تو حضرت امام نے "سیدنا" کہہ کر آپ کا استقبال کیا۔ جس پر حاضرینِ مجلس بھی حضرت ابراہیم ادھم رح کی عظمت کے معترف ہو گئے۔

٭

اس نے اپنی تمام روٹیاں کتے کے آگے ڈال دیں

حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ انہیں راستے میں پیاس لگی اور ایک چرواہے کو دیکھا۔ حضرت ابراہیمؒ نے چرواہے سے پینے کے لیے پانی مانگا۔ چرواہے نے کہا "میرے پاس دودھ ہے۔ پانی کیوں مانگتے ہو؟" حضرت ادھمؒ نے کہا "مجھے صرف پانی کی ضرورت ہے۔" یہ سن کر چرواہا اٹھا اور اپنی لکڑی ایک پتھر پر ماری۔ پتھر سے ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ حضرت ابراہیم ادھم نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ چرواہے نے جواب دیا "حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جاتا ہے تو سارا جہاں اس کے ماتحت ہو جاتا ہے۔"

حضرت داتا صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ ایک چراگاہ میں گزر رہے تھے کہ وہاں ایک حبشی غلام بکریوں کی رکھوالی کا فرض ادا کر رہا تھا۔ دُور تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ کہیں سے ایک کتا چراگاہ میں آنکلا اور حبشی غلام کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک روٹی نکالی اور کُتے کے آگے ڈال دی۔ کتا روٹی کھا چکا تو پھر اسی طرح حبشی غلام کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے دوسری روٹی بھی کُتے کے آگے ڈال دی اسی طرح کتا تیسری روٹی بھی کھا گیا اور حبشی غلام کے پاس اپنے لیے کوئی روٹی نہ رہی۔ حضرت جعفر طیارؓ اس کے قریب گئے اور فرمایا "اے بندہ خدا! تو روزانہ کتنی روٹیاں کھاتا ہے۔"

اس نے جواب دیا "اتنی ہی جتنی کہ آپ نے دیکھی ہیں۔"

حضرت عبداللہ نے پوچھا "لیکن تم نے اپنی ساری روٹیاں کُتے کو کیوں کھلا دیں؟" حبشی غلام نے جواب دیا "اس لیے کہ یہ کتوں کی جگہ تو نہیں یہ کہیں دُور سے اُمید لے کر آیا تھا اور میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اس کی محنت کو ضائع کروں۔" حضرت عبداللہ پر اس کا بے حد اثر ہوا۔ انہوں نے حبشی غلام، بکریوں اور چراگاہ کو فوراً اس کے مالک سے خرید لیا اور غلام کو آزاد کرتے ہوئے فرمایا یہ سب بکریاں اور یہ چراگاہ تمہیں بخش دیں۔ حبشی غلام نے ان کے لیے دعائے خیر کی اور بکریوں کو خیرات کر کے چراگاہ وقف کر دی اور خود وہاں سے چلا گیا۔

❊

دو چور جو مصنف بن بیٹھے

حضرت داتا گنج بخش رح جو شیخ ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی جلالی ہجویری غزنوی کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اولیائے کرام میں ایک ممتاز اور بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ وہ ان علمائے اُمّت میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کے بارے میں سرورِ کونین فخرِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ۔

"علمائے اُمّتی کانبیاءِ بنی اسرائیل"

میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔

حضرت داتا گنج بخش رح ایک بہت بڑے عالمِ دین اور صاحبِ طریقت بزرگ ہی نہیں تھے بلکہ شعر و سخن کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور انہوں نے اپنے اشعار کا ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا لیکن وہ دیوان کسی چور نے غائب کر دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی تصنیف "کشف المحجوب" میں اس واقعہ کا ذکر یوں کیا ہے کہ ایک روز کسی نے میرے اشعار کا دیوان پڑھنے کے لیے مانگ کر لیا اور ایسا لیا کہ پھر واپس ہی نہ کیا۔ میرے پاس اس دیوان کا کوئی دوسرا نسخہ نہ تھا۔ وہی ایک نسخہ تھا۔ کیونکہ مَیں نے اس کی نقل نہیں کرائی تھی۔ اب اس شخص نے جو دیوان مانگ کر لے گیا تھا۔ میری اس مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دیوان کی ترتیب بالکل ہی بدل ڈالی اور میرا نام بھی اوپر سے حذف کر دیا۔ گویا وہ دیوان میرا نہیں تھا۔ یوں وہ چور میرے اشعار لوگوں کو اپنے نام سے سنانے لگا اور مَیں نے جو محنت کی تھی وہ ضائع ہو گئی۔

اس طرح حضرت داتا صاحبؒ کا دیوان اڑا کر ایک چور خود شاعر بن بیٹھا۔ دوسری مرتبہ انہیں ایک ایسے چور سے سابقہ پڑا جو ان کی ایک معرفت آمیز تصنیف کا خود مصنف بن گیا۔

داتا صاحب خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے "کشف المحجوب" کی طرح تصوّف و معرفت پر ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام بھی "منہاج الدین" رکھا۔ ایک پاجی جس کا نام بھی لینے کو جی نہیں چاہتا۔ وہ کتاب لے گیا۔ اس نے بھی میری کتاب سے میرا نام غائب کر دیا اور لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ یہ کتاب اس کی لکھی ہوئی ہے۔ وہ شخص دراصل کوئی عالم نہ تھا کہ کتاب میں لکھے ہوئے مقاماتِ تصوّف کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اس لیے جب وہ صاحبِ علم لوگوں کے سامنے تعلّی سے کہتا تھا کہ یہ کتاب اس نے لکھی ہے تو وہ لوگ اس کا مضحکہ اڑاتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک تو وہ جہلا کے زمرے میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے میری کتاب کے ذریعے خود مشہور ہونے کی کوشش کی تھی۔ اور میرا نام مٹا دینا چاہا تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ وہ خود گمنامی کے غاروں میں دھکیل دیا گیا اور خدا نے اس کی بدنیتی کی وجہ سے اسے اپنی درگاہ کے طالبوں سے خارج کر دیا۔

علمی چوری کے ان دو واقعات کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ داتا صاحب نے جس مقصد کے تحت کتابیں لکھی تھیں۔ وہ طالبانِ حق تک نہ پہنچ سکیں۔ لیکن خود چور بھی ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس کے برعکس حضرت داتا صاحبؒ نے اپنے علمِ معرفت کے طفیل "کشف المحجوب" جیسی تصنیف کی تخلیق کی جو آج لاکھوں انسانوں کی رہنمائی کا ذریعہ بن رہی ہے اور خدا نے ان کے علم میں اتنی برکت ڈالی کہ ایک زمانہ اس سے فیض یاب ہو رہا ہے۔

❁

خواجہ فریدؒ شکر گنج کیسے کہلائے

حضرت شمس العارفین وسلطان السالکین خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ۵۸۲ھ میں ملتان کے قریب کھتوال میں پیدا ہوئے اور ۶۶۶ھ میں پاک پٹن میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ وہیں آپ کا مزار ہے، جو آج بھی مرجع خلائق ہے۔

تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں ابھی آپ کی عمر چھوٹی تھی کہ والد قاضی جمال الدین سلیمان کا انتقال ہو گیا اور آپ کی تعلیم و تربیت کا فرض والدہ کو ادا کرنا پڑا، ایک روایت کے مطابق آپ کی والدہ نماز کی تلقین کیا کرتی اور مصلّے کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ کر کہا کرتی تھیں۔

"جو بچے باقاعدہ نماز پڑھتے ہیں، انہیں جانماز کے نیچے روزانہ شکر مل جاتی ہے"۔

خواجہ فرید الدین مسعود بچپن ہی سے چونکہ شکر سے بڑی رغبت رکھتے تھے۔ اس لیے باقاعدگی سے نماز ادا کرتے اور جب مصلّیٰ اٹھاتے تو اس کے نیچے شکر کی پڑیا موجود پاتے تھے، ایک روز والدہ شکر رکھنا بھول گئیں۔ خواجہ مسعود نے حسبِ عادت نماز ادا کی اور جب مصلّیٰ اٹھایا تو اس کے نیچے شکر کی پڑیا موجود تھی۔ جسے دیکھ کر آپ کی والدہ حیران ہوئیں اور سمجھ گئیں کہ حق تعالےٰ نے بچے کی رغبت کا خود خیال رکھا اور رغبت سے اس کی مدد کی ہے چنانچہ اس روز سے وہ اپنے بیٹے کو "شکر گنج" کے لقب سے یاد کرنے لگیں جو آج تک مشہور ہے۔

ابتدائی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد والدہ نے انہیں حصول علم کے لیے ملتان بھیج دیا۔

وہ ملتان کی جامع مسجد ہی میں بڑی تنگی سے گذر بسر کرتے اور رہتے تھے۔ انہی ایام میں ایک روز خواجہ فریدالدین مسعود کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ درویش مسجد میں آئے اور پوچھا "یہ کیا پڑھ رہے ہو؟"

آپ نے درویش کی طرف دیکھا اور کتاب کا نام لے کر بتایا: "نافع کا مطالعہ کر رہا ہوں۔"

درویش نے دریافت کیا: "کیا یہ کتاب تمہیں نفع بھی دے سکے گی۔"

یہ سوال سُن کر خواجہ فرید نے غور سے درویش کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ نجانے اس درویش کی آنکھوں میں کون سی مقناطیسی قوت تھی کہ خواجہ اس کی طرف دیکھتے ہی رہ گئے اور جب تھوڑی دیر کے بعد اپنے آپ میں آئے تو اُن کی دُنیا ہی بدل چکی تھی۔ خواجہ فرید کتاب چھوڑ کر معرفت و سلوک کے عمل میں مصروف ہو گئے اور بہت بڑے ولی اللہ کہلائے۔ جن سے صرف مسلمان نہیں بلکہ ہندو اور سکھ بھی بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور اُن کی کافیاں بڑی عقیدت سے گائی جاتی ہیں۔

⁂

حضرت بابا فریدؒ اور نظام الدین اولیاءؒ

حضرت شیخ الاسلام فرید الدین شکر گنجؒ نے روحانیت اور معرفت کی جو شمع روشن کی تھی۔ اس نے بے شمار لوگوں کے دلوں کو منوّر کر دیا۔ اس سلسلے میں یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ حضرت کی بزرگی اور عظمت کے پیشِ نظر ہر مسلک اور ہر مذہب کے لوگ انہیں بابا فرید کے نام سے یاد کرتے تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور سکھ بھی ان کے معتقد اور ان کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اپنے ملفوظات میں بیان کرتے ہیں کہ میں اکثر حضرت شیخ السلام کی خدمت میں رہتا تھا اور ان کی جو عقیدت و محبت میرے دل میں تھی۔ اسے بیان کرنا لاحاصل ہے۔ مگر ایک مرتبہ بلا ارادہ مجھ سے ایک گستاخی سرزد ہو گئی اور میں بہت شرمندہ و پشیمان ہوا۔

قصّہ یوں ہے کہ حضرت فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے پاس حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی تصنیف "عوارف المعارف" کا ایک نسخہ تھا۔ وہ نسخہ بہت باریک خط میں لکھا ہوا تھا یا پھر اس میں کوئی اور خرابی تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت کسی قدر رک رک کر پڑھتے اور فوائد بیان کرتے تھے۔ مگر میں نے شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پاس عوارف کا ایک اور نسخہ دیکھا تھا جو بہتر تھا چنانچہ عرض کیا کہ شیخ نجیب الدین کے پاس عوارف کا ایک صحیح نسخہ ہے۔

میری یہ بات حضرت کے دل پر گراں گزری اور کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا: "اگر میرے پاس ناقص نسخہ ہے تو کیا یہ درویش اس کی تصحیح کی طاقت نہیں رکھتا؟"

حضرت نے یہی بات دو تین مرتبہ دہرائی مجھے قطعاً خیال نہ آیا کہ وہ کس لیے بار بار ایک ہی بات کہہ کر ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اس محفل میں مولانا بدرالدین اسحاقؒ بھی تھے۔ انہوں نے مجھے توجہ دلائی کہ نظام الدین! حضرت تمہارے متعلق فرما رہے ہیں۔

یہ سنتے ہی میں بے حد شرمسار ہوا۔ اٹھا اور حضرت شیخ کے قدموں میں گر پڑا۔ پھر عرض کی۔ میرا مقصد حضرت کی ذات کے بارے میں کوئی اشارہ کرنا نہیں تھا۔ بلکہ میں نے عوارف المعارف کا ایک نسخہ دیکھا تھا۔ اس لیے اپنی سادگی سے بات کہہ دی۔"

اس معذرت کے باوجود حضرت کا ملال نہ گیا۔ میں وہاں سے اٹھا تو اس بے ادبی کے خیال سے جو بے خبری میں مجھ سے سرزد ہوئی تھی دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو گئی۔ مجھ پر گریہ کا عالم طاری تھا۔ اسی عالم میں ایک کنویں پر جا نکلا اور خیال آیا کہ اس میں غرق ہو جاؤں پھر سوچا کہ یہ فعل تو سراسر حرام ہے۔ آخر اسی عالمِ پریشانی میں صحرا کی طرف نکل گیا اور رو رو کر دل کا بوجھ ہلکا کرنے لگا۔

حضرت شیخ الاسلام فریدالدین کے ایک فرزند شہاب الدین تھے جو میرے دوست اور مہربان تھے۔ جب انہیں میرے اس حال کی خبر ہوئی تو حضرت کی خدمت میں گئے اور میری کیفیت بیان کی۔ حضرت نے اسی وقت اپنے صاحبزادے محمد کو بھیجا کہ مجھے بلا لائے۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بے اختیار سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ حضرت نے میری خطا معاف فرمائی اور دوسرے روز اپنے پاس طلب کر کے بتایا کہ یاد رکھو مرشد اپنے مرید کے لیے گویا مشاطہ کا درجہ رکھتا ہے جس طرح مشاطہ دلہن کی آرائش کرتی ہے۔ اسی طرح مرشد اپنے مرید کو سنوارتا ہے۔ پھر حضرت نے مجھے خلعت سے سرفراز کیا۔

❋

اس کے مُنہ پر غیبی طمانچہ پڑا

شیخ الاسلام حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کا شمار ان اولیائے کرام اور صوفیائے عظام میں ہوتا ہے جنہوں نے ظلمت کدہ ہند میں نورِ ایمان کی مشعلیں روشن کیں اور اِرد گرد اجالا کر دیا۔

خواجہ فریدؒ نے اجودھن میں مستقل قیام کر لیا تھا۔ جسے آج کل پاک پٹن کہتے ہیں۔ ان کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی اور بہت سے لوگ آں سے فیض یاب ہونے کے لیے پاک پٹن (اجودھن) آیا کرتے تھے۔

تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ دہلی کا ایک شخص جس نے ہوا و ہوس اور عیش و عشرت میں زندگی گزاری تھی۔ اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کر کے ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوا اور اس نے ارادہ کیا کہ خواجہ فریدالدینؒ کے حضور جا کر سچے دل سے تائب ہوں، چنانچہ اسی نیک مقصد کے لیے وہ دہلی سے پاک پٹن کی طرف روانہ ہوا۔

راستے میں اس شخص کو ایک خوبصورت مطربہ جو اس کے مردانہ حُسن پر فریفتہ ہو گئی اور چاہتی تھی کہ اس مرد کے ساتھ تعلق قائم کر لے مگر اس آدمی نے مطربہ کے جمال و شباب کی طرف مطلق توجہ نہ دی اور اپنا سفر جاری رکھا۔ مطربہ بھی منزل منزل اس کے ساتھ تھی۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ دونوں کو ایک ہی بہلی میں سفر کرنا پڑا۔ چنانچہ مطربہ جو اس شخص کو چاہنے لگی تھی۔ بہلی میں اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی چونکہ دونوں اکٹھے کئی روز سے سفر کر رہے تھے اور ان کے درمیان

کچھ زیادہ حجاب نہیں رہا تھا۔ اس لیے جب مطربہ بڑی بے تکلفی سے اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی تو اس مرد کے دل میں بھی اس کے حسن و جمال کی کشش پیدا ہوئی اور اس نے چاہا کہ اس کی طرف ہاتھ بڑھائے اور اس کو اپنی آغوش میں لے۔ لیکن ابھی اس نے مطربہ کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش ہی کی تھی کہ غیب سے ایک شخص نمودار ہوا اور اس نے آدمی کے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا:

"تم تو توبہ کی نیت سے خواجہ فریدؒ کے پاس جا رہے ہو پھر یہ کیا حرکت ہے"

وہ شخص یہ بات سن کر سخت پشیمان ہوا اور اس کے دل میں مطربہ کے بارے میں جو دلچسپی پیدا ہوئی تھی، سب رخصت ہو گئی۔ پھر اس نے سفر کے دوران اس مطربہ کی طرف نہیں دیکھا اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

جب وہ شخص خواجہ فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اسے دیکھتے ہی جو پہلی بات کہی وہ یہ تھی۔ "خدا تعالیٰ نے رستے میں خود تمہاری حفاظت کی۔ کیونکہ اسے تمہاری توبہ کی نیت پسند آ گئی تھی۔"

وہ شخص خواجہ کی خدمت میں گناہوں سے تائب ہو کر اپنی مراد کو پہنچا۔

❖

اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے

حضرت بابا فریدالدین مسعود شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں یوں تو بیسیوں تحیر زا واقعات پیش آئے جو اہلِ ایمان کے لیے تقویت ایمان کا باعث ہیں اور اُن کی درجنوں کرامتیں سلوک و نیاز کے طالبوں کو ایک نئی دنیا کی سیر کراتی ہیں۔ تاہم کٹ ملاؤں اور زاہدانِ خشک کے لیے جو شریعت کی ظاہری پابندیوں پر بڑا زور دیتے ہیں اور صوفیا اور اولیأ کے مزاج آشنا نہیں ہوتے ایک واقعہ درسِ بصیرت بن سکتا ہے۔

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیأ بیان کرتے ہیں کہ پاک پتن (قدیم اجودھن) کے قریب ایک مُلاّ رہتا تھا۔ جسے اپنے علم پر بڑا غرور تھا۔ ایک روز وہ بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجلس میں کئی لوگ موجود تھے۔ مُلاّ نے اپنے علم اور شریعت کی ہمہ دانی کے قصّے سنانے شروع کر دیے حضرت بابا فریدؒ نے پوچھا۔ مولانا! "اسلام کے رکن کتنے ہیں؟"

مولانا نے فوراً جواب دیا: "پانچ یعنی کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔"

بابا فریدؒ نے فرمایا کہ ایک چھٹا رکن بھی ہے۔ جس پر مُلاّ بگڑ گیا کہ چھٹا رکن کون سا ہو سکتا ہے؟ تھوڑی سی تکرار کے بعد بابا فرید نے جواب دیا کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔ یہ سنتے ہی مُلاّ سیخ پا ہوگیا اور بولا: "میں اسی لیے آپ لوگوں سے اختلاف رکھتا ہوں۔ آپ لوگ بے علم ہوتے ہیں اور خوامخواہ شرعی معاملات میں دخل دیتے رہتے ہیں۔ چھٹا رکن نہ قرآن میں نہ حدیث میں نہ فقہ میں ہے۔"

حضرت نے فرمایا "قرآن، حدیث اور فقہ میں بھی ہے۔"

یہ سُن کر مُلّا آگ بگولا ہو گیا اور غصّہ میں بکتا جھکتا چلا گیا۔ کہتے ہیں اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مُلّا حج کی خاطر مکہ معظمہ چلا گیا اور سات برس وہیں رہا اور اُس نے وہاں رہ کر سات حج کیے۔ آخر ہندوستان کی طرف واپس ہوا، لیکن راستے میں جہاز طوفان کی نذر ہو گیا۔ مُلّا ایک تختے پر بہتا ہوا کنارے جا لگا۔ جہاں خشک پہاڑیوں اور لق و دق صحرا کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جان بچانے کی خاطر مُلّا نے ایک غار میں پناہ لی، لیکن بھوک پیاس نے پریشان کر دیا۔ نہ راستے کا علم نہ کوئی راہبر نہ دُور و نزدیک آبادی کا نشان جائے تو کہاں۔ تین روز تک بھوکا پیاسا وہیں پڑا رہا۔ لیکن ایک دن اچانک ایک آدمی کھانے کا خوان سر پر رکھے نمودار ہوا۔ وہ کھانا فروخت کر رہا تھا۔ مگر مُلّا کے پاس تھا کیا کہ وہ معاوضہ دیتا۔ اُس نے آدمی سے منت سماجت کی کہ اسلام اور انسانیت کے ناطے اُسے کھانا دیا جائے۔ مگر آدمی نے انکار کر دیا آخر یہ طے ہوا کہ اگر مُلّا اپنے سات حج کا ثواب اُس کے نام لکھ دے تو اُسے روٹی مل سکتی ہے۔ مُلّا نے یہ شرط قبول کر لی اور روٹی کے عوض سات حج اُس آدمی کی نذر کر دیے۔

اس کے بعد وہ آدمی غائب ہو گیا اور تین روز کے بعد پھر آیا۔ اُس بار اُس نے ساری عمر کی نمازوں کے عوض روٹی فروخت کی اور نظروں سے اوجھل ہو گیا اس طرح یہ معاملہ کئی دن چلتا رہا۔ حتیٰ کہ روٹی کے عوض مُلّا نے سات حج، ساری عمر کی نمازوں اور زکوٰۃ کا ثواب بھی اُس آدمی کے نام لکھ دیا۔

جب وہ آدمی مُلّا کی تحریر لے کر نکلا تو مُلّا نے حسب سابق اُس کا تعاقب کیا تاکہ معلوم کر سکے کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ مگر افسوس پہلے کی طرح اس بار بھی اُسے ناکامی ہوئی اور وہ آدمی پُراسرار طور سے غائب ہو گیا۔ مُلّا دیوانے کی طرح اِدھر اُدھر بھاگتا رہا۔ آخر دُور سمندر میں ایک جہاز دکھائی دیا۔ اُس نے پگڑی اُتار کر اشارہ کیا اور مدد کے لیے چلایا۔ جہاز والوں نے اُسے دیکھ لیا۔ ایک کشتی بھیج کر مُلّا کو جہاز پر سوار کرایا اور اس طرح وہ ہندوستان واپس آیا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ پھر بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے تسلیم کرنا پڑا کہ روٹی زندگی کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ اسلام کا چھٹا رکن بھی ہے۔

شیخ فریدالدینؒ نے دیکھے بغیر اُسے پہچان لیا

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مُرشد روحانی حضرت شیخ الاسلام فریدالدین شکر گنج قدس اللہ سرہ، کے بارے میں ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کرتے ہیں۔
واقعہ یہ ہے کہ ایک روز شیخ فریدالدین رحؒ صبح کی نماز کے وقت سجدہ رُو اور سر زمین پر رکھے اپنے ذکر میں مصروف تھے۔ اس حالت میں کافی دیر گزر گئی سردیوں کے ایام تھے اس لیے ایک پوستین لاکر اُن کے اوپر ڈال دی گئی۔
خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں اُس وقت کوئی خدمت گار موجود نہ تھا۔ یہ کام مَیں نے سرانجام دیا اور اُن کے قریب خاموشی سے بیٹھا رہا تاکہ شیخ کی محویت اور ذکر میں خلل واقع نہ ہو۔ وہ اُسی طرح سر زمین پر ٹیکے اور پوستین اوڑھے اپنے ذکر میں مشغول رہے۔ اتنے میں میانہ قد اور زرد رنگ کا ایک ترک آیا اور اُس نے بلند آواز سے "السلام علیکم" کہا۔
حضرت شیخ رحؒ کی محویت میں خلل آگیا اور انہوں نے سر سجدہ سے اُٹھائے بغیر اُسی عالم میں پوچھا: "کوئی ہے؟"
مَیں نے جواب دیا کہ مَیں موجود ہوں۔ جس پر انہوں نے دریافت فرمایا کہ جو شخص آیا ہے کیا وہ درمیانے قد کا زرد رُو ترک ہے؟"
مَیں نے اس شخص کی ہئیت پر غور کیا اور عرض کی کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ پھر شیخ نے دریافت

کیا ؛ "کیا اس کی کمر میں زنجیر ہے ؟"

دیکھا تو یہ بھی درست تھا۔ چنانچہ بتایا گیا کہ اُس آدمی کی کمر میں زنجیر بھی ہے۔ اُس کے بعد شیخ نے پوچھا :

"کیا اُس آدمی کے کان میں حلقہ بھی ہے ؟"

اب جو مَیں نے غور سے دیکھا تو اس کے کان میں حلقہ بھی موجود تھا۔ چنانچہ ایک بار پھر اثبات میں جواب دیا گیا۔ اُن کے ہر سوال پر میں جواب دیتا جا رہا تھا اور اُسے سُن کر اُس نو وارد کی حالت متغیر ہوتی جا رہی تھی، کیونکہ وہ اس سے پہلے کبھی حضرت شیخ سے نہیں ملا تھا اور نہ یہاں آیا تھا۔

☆

وہ زمین کی طرح پانی پر چلتا ہوا پار اُتر گیا

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی لاہور کے علاقے کے ایک درویش کا عجیب و غریب واقعہ ملفوظات میں بیان ہوا ہے۔ جسے قارئین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں۔

لاہور کے نواح میں ایک گاؤں تھا۔ جہاں ایک درویش کھیتی باڑی کر کے اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالتا تھا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس درویش سے لگان اور مالیہ وغیرہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر کچھ عرصہ بعد ایک نیا کوتوال مقرر ہوا اور اس نے درویش سے مالیہ طلب کیا۔ جس پر اس نے بتایا کہ مَیں کئی سال سے کھیتی باڑی کر رہا ہوں، مگر آج تک کسی نے اس سے حصّہ نہیں مانگا۔

یہ سُن کر کوتوال نے کہا: "تم کئی سال سے سارا غلہ گھر لے جاتے ہو اور آج تک تم نے کسی کا حصّہ نہیں نکالا یہ تو اور بھی بُری بات ہے۔ اس لیے اب میں گزشتہ تمام سالوں کا محصول وصول کروں گا۔"

درویش نے بتایا کہ وہ غریب آدمی ہے اور جو فصل ہوتا ہے۔ اس سے بمشکل اس کے گھر کا گزارہ ہوتا ہے۔

وہ درویش چونکہ اپنی نیکی اور پارسائی کے لیے بھی شہرت رکھتا تھا۔ اس لیے کوتوال

نے کہا: "میں نے سنا ہے تم صاحبِ کرامت آدمی ہو۔ اب یا تو گزشتہ سالوں کا محصول ادا کرو یا پھر کوئی ایسی کرامت دکھاؤ۔ جس سے مجھے تمہاری بات پر یقین آجائے کہ تمہاری فصل صرف تمہاری ہی ضرورت کے لیے کافی ہوتی ہے۔"

درویش نے دریافت کیا کہ وہ کیسی کرامت دیکھنا چاہتا ہے۔ کوتوال نے دریائے راوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ سامنے دریا بہہ رہا ہے۔ تم اس کے پانی پر چلتے ہوئے دوسرے کنارے پر پہنچ جاؤ اور تمہارا دامن نہ بھیگے تو پھر میں مطمئن ہو جاؤں گا۔"

درویش نے اللہ کا نام لے کر دریا کی سطح پر قدم رکھا اور پانی پر چلتا ہوا دوسرے کنارے پہنچ گیا۔ کوتوال سمیت سب لوگ یہ کرامت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ دوسرے کنارے پہنچ کر درویش نے واپسی کے لیے کشتی طلب کی۔ لوگوں نے کہا۔ جس طرح پانی پر چلتے ہوئے گئے ہو۔ اسی طرح چلتے ہوئے واپس آجاؤ۔ مگر درویش نے جواب دیا۔ "اس طرح میرا نفس مغرور ہو جائے گا۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

اور درویش نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا

حضرت نظام المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانے میں دہلی میں ایک بزرگ تھے جن کا نام مولانا کیتھلی تھا۔ حضرت خواجہ رحؒ اُن کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ ان کی عادت تھی۔ وہ کھانا تنہا نہ کھایا کرتے تھے بلکہ کسی نہ کسی کو ضرور اپنے ساتھ شریک کر لیتے تھے۔
ایک مرتبہ دہلی میں قحط پڑا انہی دنوں ملک قطب الدین حسن کا انتقال ہوا تھا۔ مولانا کیتھلی بازار سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے بازار سے کوئی چیز کھانے کے لیے خریدی اور سوچا کہ کھانا تنہا نہیں کھانا چاہیئے۔ کچھ فاصلے پر ایک درویش نظر آیا۔ جس کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ اُس کے پاس جا کر کہا: "میں فقیر ہوں اور تم بھی فقیر ہو۔ میرے پاس کھانا ہے۔ آؤ۔ دونوں مل کر کھالیں۔"
فقیر راضی ہو گیا اور ایک جگہ بیٹھ کر دونوں نے کھایا۔ کھانے کے دوران مولانا کیتھلی نے کہا۔

میں بیس تنکے کا مقروض ہو گیا ہوں اگر یہ قرض ادا ہو جائے تو بہتر۔ درویش نے جواب دیا۔

"کھانے کے بعد میں بیس تنکے ادا کر دوں گا۔"
جب وہ کھانے سے فارغ ہو چکے تو درویش مولانا کو اپنے ساتھ لے کر مسجد کی طرف چل پڑا اُس مسجد کے عقب میں ایک قبر تھی۔ درویش اُس قبر کے نزدیک کھڑا ہو گیا

اُس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اُس نے کچھ پڑھا۔ پھر چھڑی کو ایک دو بار قبر پہ مارا اور کہنے لگا۔ "اس آدمی کو بیس تنکے چاہئیں وہ دیدو۔"

پھر وہ مولانا کیتھلی سے مخاطب ہوا کہ تم اب بے فکر ہو کر چلے جاؤ۔ بیس تنکے تمہیں پہنچ جائیں گے۔

مولانا اس درویش سے رخصت ہو کر شہر کی طرف چل دیے۔ اُن کے پاس ایک خط تھا جو کسی آدمی کے گھر پہنچانا تھا۔ وہ خط لے کر مکان تک پہنچے تو ایک ترک نے جو بالکونی میں بیٹھا تھا انہیں دیکھ لیا اور غلام کو دوڑایا۔ وہ انہیں بصد اصرار اوپر لے گیا۔ ترک بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا اور بولا۔

"تم وہی آدمی ہو جس نے فلاں وقت میرے ساتھ بھلائی کی تھی۔"

لیکن مولانا اسے پہچاننے ہی سے انکار کرتے رہے۔ اُس ترک نے کہا کہ تم مجھے نہ پہچانو مگر میں تمہیں پہچانتا ہوں پھر اُس نے بڑی عقیدت کے ساتھ بیس تنکے لا کر پیش کیے۔ اس طرح اس درویش کا وعدہ پورا ہوا کہ تمہارا قرض ادا کر دیا جائے گا۔

❁

اڑھائی من کی مچھلی جال میں پھنس گئی

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحؒ نے اپنی مشہور کتاب "کشف المحجوب" میں اپنے عہد کے بارہ مکتبہ ہائے طریقت کا ذکر کیا ہے۔ جن میں ایک مسلک نوریہ بھی ہے۔ یہ مسلک دراصل خواجہ ابوالحسن نوری رحؒ سے منسوب ہے، جو بغداد کے ایک بہت بڑے صاحبِ کرامت بزرگ گزرے ہیں۔

خواجہ ابوالحسن نوری رحؒ کے بارے میں یوں تو بہت سی خارق عادت باتیں مشہور ہیں۔ مگر ان کی ایک کرامت جس کا ذکر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحؒ نے بھی کیا ہے۔ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ خواجہ ابوالحسن دریائے دجلہ پر گئے تو دیکھا کہ اس کے کنارے ایک ماہی گیر جال سے مچھلیاں پکڑنے میں مصروف ہے۔ مگر اتفاق کی بات تھی کہ اس کے جال میں کوئی مچھلی نہیں آ رہی تھی اور ماہی گیر بے حد پریشان معلوم ہوتا تھا۔ جب خواجہ ابوالحسن نوری رحؒ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو ماہی گیر سے مخاطب ہو کر کہا:

"اب میرے حکم سے دریا میں جال ڈال اور اگر میں اللہ کا ولی ہوں تو تیرے جال میں ایک مچھلی ضرور آئے گی اور وہ ایک ہی مچھلی پورے اڑھائی من کی ہو گی۔ نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔"

چنانچہ ماہی گیر نے خواجہ ابوالحسن کے حکم پر دریا میں جال ڈال دیا اور جب اسے کھینچا تو

فی الواقع اس میں ایک بہت بڑی مچھلی پھنس گئی تھی۔ جب اس مچھلی کو دریا سے نکال کر تولا گیا تو وہ پورے اڑھائی من کی نکلی۔

شہر میں نہ صرف اتنی وزنی مچھلی کا چرچا ہوا بلکہ ماہی گیر کی وساطت سے خواجہ ابوالحسن نوری کی کرامت چاروں طرف پھیل گئی اور گھر گھر ان کی کرامت کا چرچا ہونے لگا۔ حتیٰ کہ یہ بات شیخ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز تک پہنچ گئی۔ جب آپ نے یہ واقعہ سُنا تو چہرہ پر غصہ و ناراضی کے آثار ہویدا ہوئے اور آپ نے فرمایا:

"کاش — : ماہی گیر کے اس جال میں اڑھائی من کی مچھلی کے بجائے ایک سیاہ ناگ آجاتا جو کنارے پر آتے ہی حضرت خواجہ ابوالحسن کو ڈس لیتا اور وہ ہلاک ہو جاتا۔"

لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا:

"یا حضرت: آپ ایسی بددُعا کیوں دے رہے ہیں؟" حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا:

"اگر جال میں سانپ آجاتا اور وہ ابوالحسن کو ڈس لیتا تو وہ ایک شہید کی موت مرتا، لیکن اب نہیں کہا جا سکتا سوائے اس کا خاتمہ کیسے ہوگا۔"

مقصد یہ ہے کہ اولیاء کو اپنی کرامات کا اس طرح تذکرہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ کرامت تو ایک ایسی صفت ہے جو خاص مواقع پر ظاہر ہوتی ہے۔

"جا آج سے تو نظام ہے"

قمرالدین علی خاں مغلیہ فوج میں ایک صوبیدار تھا۔ لیکن اپنے دل میں مہمات کا شوق رکھتا تھا۔ ۱۱۲۴ ہجری میں اُسے دکن کی تسخیر کا خیال آیا۔ اس وقت مغل سلطنت رُوبہ زوال تھی اور امرائے سلطنت اپنے اپنے اقتدار کی سوچ رہے تھے۔ قمرالدین علی خاں نے اس مقصد کے لیے دکن کو پسند کیا۔ چنانچہ تسخیر دکن کی تمنا لے کر وہ اُس دور کے بزرگ شیخ کلیم اللہ شاہجہان آبادی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے روحانی مدد کے لیے درخواست کی۔

شیخ کلیم اللہ نے جواب دیا: "ہم نے دکن کے لیے نظام الدین کو مقرر کر دیا ہے۔ تم اُن سے جا کر ملو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کریں گے۔"

قمرالدین علی خاں نے فرمائش کی کہ وہ اُن کے نام کوئی تحریر لکھ دیں۔ شیخ نے ایک ٹھیکری اُٹھائی اور اس پر یہ عبارت لکھ دی: "کتا آرہا ہے ہڈی ڈال دو۔"

قمرالدین رمز شناس حقیقت تھا۔ اُس نے ٹھیکری لے لی اور اپنی فوج لے کر دکن کی طرف کوچ کر دیا۔ ضلع اورنگ آباد میں حضرت نظام الدین کی درگاہ تھی۔ صبح کے وقت اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور خادم کے ہاتھ ٹھیکری اندر بھیج دی۔ ساتھ ہی یہ پیغام بھی دیا کہ ایک شخص کلیم اللہ کی یہ ٹھیکری لے کر آیا ہے۔

حضرت نظام الدین اُس وقت کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے اپنے مرشد کی ٹھیکری

لے کر آنکھوں سے لگائی اور جو روٹیاں سامنے رکھی تھیں۔ اُن میں سے سات اٹھائیں ان پر ایک ہڈی رکھی اور قمر الدین علی کے لیے بھجوا دیں کہ جب تک ہم آئیں تم کھانا کھالو۔ قمر الدین علی خاں اولیا کی ان پُر حکمت باتوں کو خوب سمجھتا تھا۔ اُس نے کھانا کھالیا تو حضرت نظام الدین تشریف لائے اور حال پوچھا۔ قمر الدین بڑے ادب سے دو زانو ہو کر ان کی خدمت میں بیٹھ گیا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ دکن فتح کرنے کا ارادہ لے کر آیا ہوں۔ حضور کی مدد درکار ہے۔ حضرت نظام الدین نے اپنے پیرہن خاص سے جو زرد رنگ کا تھا ایک حصہ پھاڑ کر اُس کے سر پر باندھ دیا اور فرمایا۔ "جا آج سے تو نظام ہے"

قمر الدین علی خاں وہاں سے رخصت ہو کر لشکر میں آیا اور شریکِ جنگ ہو گیا۔ حضرت کی دُعا اور برکت سے دکن تھوڑے ہی عرصے میں فتح ہو گیا اور قمر الدین نے سارے علاقے پر بزورِ تیغ تسلط حاصل کر لیا۔ اب وہ قمر الدین علی خاں کی بجائے "نظام الملک آصف جاہ" کہلانے لگا یہ دکن کی دولتِ آصفیہ کا پہلا نظام تھا جسے یہ خطاب حضرت نظام الدین اورنگ آبادی کی طرف سے ملا تھا۔ اُس نے جو شاہی لباس تیار کرایا۔ اُس میں زرد رنگ کی دستارِ خاص کو "طرّہ امتیاز" بنا لیا۔ یہی دستار آصفیہ خاندان کی علامت حکومت بن گئی۔

⁂

ہفت مینار اور ہفت دُعا کی کرامت

حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ شروع میں اوش نام کے ایک شہر میں رہتے تھے۔

کہتے ہیں اس شہر کے کنارے پر ایک غیر آباد مسجد تھی اور اس مسجد میں ایک مینار تھا۔ جسے لوگ ہفت مینار کہا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ مینار تھا تو ایک ہی لیکن نجانے کیوں اس کی شہرت ہفت مینار کے نام سے ہو گئی تھی۔ اس کے متعلق بعض عجیب و غریب باتیں مشہور تھیں۔ حضرت بختیار کاکیؒ کو ایک دُعا بتائی گئی اور کہا گیا کہ اگر کوئی شخص ہفت مینار پر چڑھ کر یہ دُعا مانگے تو اسے حضرت خضرؑ کی ملاقات نصیب ہوتی ہے اور ایک مینار کی طرح اس ایک دُعا کو بھی ہفت دُعا کہتے ہیں۔

حضرت قطب الدین بختیارؒ کو خضرؑ کی زیارت کا شوق ہوا۔ چنانچہ وہ رمضان کے مہینے ایک رات اس مسجد میں گئے۔ پہلے انہوں نے دُو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد ہفت مینار پر چڑھے اور اس کی بلندی پر پہنچ کر "ہفت دُعا" پڑھی اور دُعا پڑھنے کے بعد نیچے اُتر آئے۔

انہوں نے تھوڑی دیر تک مسجد میں انتظار کیا، لیکن جس مقصد کی خاطر رات کے وقت اُس مسجد میں آئے تھے۔ وہ پورا نہ ہوا آخر مایوس ہو کر باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ باہر ایک شخص کھڑا ہے۔ اس نے جب حضرت قطب الدین بختیارؒ کو اتنی رات گئے مسجد سے نکلتے ہوئے

دیکھا تو پوچھا : "آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں ؟"

حضرت نے جواب دیا : " ملاقات خضرؑ " کی تمنا تھی۔ مسجد میں دو رکعت نماز بھی ادا کی اور ہفت مینار پر جا کے ہفت دعا بھی پڑھی۔ لیکن مقصد پورا نہیں ہوا۔ اب گھر جا رہا ہوں۔"

اس شخص نے دریافت کیا : "کیا آپ کو دولتِ دنیا کی طلب ہے ؟"

"نہیں ۔" حضرت نے جواب دیا۔

" تو کیا آپ کسی کے مقروض ہیں ؟ "

"نہیں ۔"

اس شخص نے پوچھا : "مگر آپ کو خضر کی تلاش کیوں ہے ؟"

حضرت نے فرمایا "صرف ملاقات کا شوق ہے ۔"

وہ شخص بتانے لگا کہ اسی شہر میں ایک ایسا آدمی بھی موجود ہے۔ جس کے دروازے پر حضرت خضرؑ بارہ مرتبہ حاضری دے چکے ہیں۔ لیکن انہیں اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔ ابھی وہ دونوں مسجد کے باہر کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ ایک نورانی شکل کے بزرگ پاکیزہ لباس پہنے نمودار ہوئے۔ ملاقاتی اُن بزرگ کی طرف بڑھا۔ ان کے قدموں میں گر گیا۔ پھر اس نے شیخ قطب الدین بختیار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ درویش نہ تو طالبِ دُنیا ہے۔ نہ اسے کسی کا قرض دینا ہے۔ فقط آپ کی ملاقات کا شوق رکھتا ہے ۔" تب حضرت قطب الدین کو معلوم ہوا کہ آنے والے نورانی بزرگ حضرت خضرؑ ہیں۔ اس طرح خضرؑ سے ان کی ملاقات ہوئی۔

صرف ایک تیر نے کافروں کو بھگا دیا

ملتان کسی زمانے میں اسلامی سلطنت کا بڑا اہم علاقہ سمجھا جاتا تھا اور سلاطین دہلی کی طرف سے اُس کی حکومت ہمیشہ اہم لوگوں کو تفویض کی جاتی تھی۔ ملتان کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ یہ شہر علمائے دین اور اولیائے کرام کا مرکز بنا ہوا تھا۔ علم دین کے علاوہ معرفت و سلوک کے اسرار روحانی بھی اس سرزمین سے حاصل کئے جاتے تھے۔ ملتان کو یہ شرف بھی حاصل رہا ہے کہ یہاں بیک وقت حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرۂ جیسے بزرگانِ دین اکٹھے رہے ہیں۔

یہ خاندانِ غلاماں کے عہد کا واقعہ ہے سلطانِ دہلی التمش کی طرف سے اُس کا مشہور جرنیل قباچہ ملتان کا حاکم تھا اور یہ وہی دور تھا۔ جب تینوں بزرگ جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ وہاں موجود تھے۔ اسی دور میں ایک مرتبہ کفار کے لشکر نے ملتان پر حملہ کر دیا۔ قباچہ نے اپنی سپاہ کے ساتھ اُسے روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن حملہ آور فوج شہر کے پہلے مینار تک آ گئی۔ اُس وقت شہر میں زبردست اضطراب پایا جاتا تھا اور اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں دشمن شہر میں داخل نہ ہو جائے۔ یہ حالت کئی دن تک رہی۔ کافر فوج پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتی تھی بلکہ اُس نے شہر پر زبردست دباؤ ڈال رکھا تھا۔ والیٔ شہر قباچہ نے اپنے تمام حربی طریقے آزمائے اور دشمن کو پرے دھکیل دینے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ پریشانی اور خطرے کے ان ایام میں ایک روز حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے

ایک تیر قباچہ کو دیا اور فرمایا :

"یہ تیر اندھا دھند دشمن فوج کی طرف چلادو اور تیر انداز کو اس امر کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ تیر کافروں کی لشکرگاہ تک پہنچ جائے۔"

قباچہ نے ایک ماہر تیر انداز کو طلب کیا اور اُسے تاکید کی کہ وہ اس زور سے کمان کا چلّہ چڑھائے کہ تیر زیادہ سے زیادہ دُور تک جاسکے۔ تیر انداز نے اس ہدایت پر عمل کیا اور وہ تیر رات کے اندھیرے میں دشمن کی طرف چلایا۔ وہ رات بڑے اضطراب میں گزری۔ جب صبح کا اُجالا نمودار ہوا تو سب لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ کافروں کا لشکر راتوں رات فرار ہو چکا تھا اور میدان خالی پڑا تھا۔

٭

شاہ حسینؒ شرابِ روحانی کے نشے میں مست رہتے تھے

حضرت شاہ حسینؒ (جو مادھو لال حسین کے نام سے معروف ہوئے) کے بارے میں بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ وہ شراب پیتے تھے۔ اس سلسلے میں بعض دلچسپ روایتیں بھی ملتی ہیں مثلاً :

" ایک مرتبہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے جو اپنے وقت کے ایک جید عالمِ دین تھے شاہ حسین کی حاضری دی اور التجا کی کہ مجھے اپنے مریدوں میں داخل کر لیجیے۔

شاہ حسینؒ نے جواب دیا: " مولوی! کیوں مجھے بدنام کرنا چاہتے ہو تم میرے کام کے آدمی نہیں تم داڑھی منڈواتے ہو نہ شراب پیتے ہو اس لیے مجھے تم سے کیا کام۔"

مولانا عبدالحکیم نے کہا: " اگر آپ دلیل سے ان دو باتوں کا قائل کر دیں تو جو کہیں گے وہی کروں گا۔"

شاہ حسینؒ بولے: " تم کٹر اور خشک مُلاّ ہو جاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" مگر یہی علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی بیان کرتے ہیں کہ شاہ حسینؒ شرابِ روحانی کے نشے میں مست رہتے تھے۔

دارا شکوہ نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے ایک مرتبہ لاہور کے قاضی کو شکایت پہنچی کہ شاہ حسین شراب پیتے اور بدمستی کرتے ہیں۔ اُس نے آپ کو سزا دینے کا ارادہ کر لیا۔ مگر اتفاق سے شاہ حسینؒ کو بھی پتہ چل گیا کہ قاضی اُن کے بارے میں کوئی اچھا ارادہ نہیں رکھتا۔ چنانچہ

ایک روز جب قاضی گھوڑے پر سوار چلا آرہا تھا تو آپ نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور قاضی کو کھڑا کر کے پوچھا :

"کیا تم ارکانِ اسلام کے بارے میں جانتے ہو ؟"

قاضی نے جواب دیا :

ارکان اسلام پانچ ہیں، توحید ، حج ، زکوٰۃ ، نماز، روزہ ، شاہ حسین بولے :

" توحید میں تو میں ، تم اور سب مسلمان برابر کے شریک ہیں کیونکہ خدا کو ایک مانتے ہیں مگر حج اور زکوٰۃ جیسے اہم ارکان کو خود تم نے ترک کر رکھا ہے نہ تم نے آج تک حج کیا ہے اور نہ زکوٰۃ دی ہے۔"

قاضی اُن کے منہ کی طرف دیکھنے لگا اور بولا : "تم چاہتے کیا ہو ؟" شاہ حسین نے کہا۔

" اسلام کے دو ارکان تم نے ترک کیے اور دو ارکان یعنی نماز اور روزہ میں نے ترک کر دیئے پھر تم ہوتے کون ہو مجھے سزا دینے والے ۔"

قاضی لاجواب ہو کر رہ گیا اور اُس نے آپ کی گرفتاری کا ارادہ فسخ کر دیا۔

⚘

وہ کشتی کے بغیر ہی دریا پار کر گئے

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی رح ۲۶۰ ھ میں بمقام چشت پیدا ہوئے اور ۳۵۵ ھ میں انتقال کر گئے۔ وہ صاحبِ خارق و کرامت بزرگ تھے۔ چھوٹی عمر ہی میں ان پر اسرار و رموز آشکار ہونے لگے تھے۔ سات برس کی عمر میں حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی رح کی توجہ کے طفیل ان پر علوم باطنی کا دروازہ کھل گیا تھا اور وہ لڑکپن ہی میں ایسی معرفت کی باتیں کرنے لگے تھے کہ لوگ سن کر حیران رہ جاتے تھے۔

خواجہ ابو احمد بہت فصیح و بلیغ گفتگو کرتے تھے اور ان کے کلام میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ جو سن لیتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں کہ ابھی وہ چھوٹے ہی تھے کہ ایک عجیب واقعہ ظہور میں آیا۔ جس سے پتہ چل گیا کہ اللہ تعالےٰ کی خاص نصرت ان کے شاملِ حال ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت کے والد کا ایک خم خانہ تھا جہاں انواع و اقسام کے شیشے اور پیمانے موجود تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ان کے باپ یہ کام بھی کرتے ہیں تو سخت طیش میں آ گئے اور ایک دن موقع پر خم خانہ میں گھس گئے۔ انھوں نے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا اور تمام پیمانے اور شیشے توڑنا شروع کر دیے۔

جب باپ کو اطلاع ملی کہ صاحبزادے خم خانے میں داخل ہو کر توڑ پھوڑ میں مصروف ہیں۔ اور دروازہ اندر سے بند ہے تو بھاگم بھاگ چھت پر پہنچ گئے اور وہاں سے اپنے پیمانوں کی درگت بنتے دیکھی۔ غصہ میں آ کر ایک پتھر اٹھایا اور بیٹے پر دے مارا۔ بیان کیا جاتا ہے جب

وہ پتھر ان کے سر کے قریب پہنچا تو فضا میں معلق ہو کر رہ گیا اور خواجہ ابو احمدؒ بالکل محفوظ رہے۔ ورنہ وہ پتھر اتنا وزنی تھا کہ اگر ان کے سر پر لگ جاتا تو وہیں جاں بحق ہو جاتے مگر جب پتھر ان کے سر پر معلق ہو گیا تو والد اس کرامت کو دیکھ کر ورطہ حیرت میں گم ہو گئے۔ انہوں اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور آ کر بیٹے سے معافی مانگی۔

خواجہ ابو احمد ابدالؒ کی زندگی کا ایک اور واقعہ بھی کافی شہرت رکھتا ہے۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ دریائے دجلہ پر گئے۔ ساحل پر کوئی کشتی موجود نہ تھی۔ جس کے ذریعے دریا پار کیا جا سکتا۔ چنانچہ خواجہ صاحب اپنے مریدوں کے درمیان بیٹھ کر ذکر و فکر میں مصروف ہو گئے اور دعا کرنے لگے کہ دریا عبور کرنے کی کوئی سبیل نکل آئے خدا کی قدرت ملاحظہ فرمائیے کہ وہ لوگ جس حالت میں بیٹھے ہوئے تھے اسی حالت میں دریا کے پار پہنچ گئے اور کسی کا پاؤں تک گیلا نہ ہو سکا۔

کہتے ہیں وہاں کچھ غیر مسلم بھی تھے۔ انہوں نے جب یہ کرامت دیکھی تو دم بخود رہ گئے اسی وقت ان کی خدمت میں آ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور خواجہ کی صحبت میں رہنے لگے۔

⁂

مُرشد کے بغیر بیڑا پار نہیں ہو سکتا

حضرت سچل سرمست ؒ جن کا اصل نام عبدالوہاب تھا خیرپور سندھ میں رانی پور سے ایک میل جانب شمال دراز ن نام کے مقام پر پیدا ہوئے ان کا سن ولادت ۱۱۷۰ھ بیان کیا جاتا ہے،
ان کے جدّ امجد حضرت شہاب الدین بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن حضرت عمر فاروق رضؓ محمد بن قاسم کے ہمراہ سندھ میں آئے تھے۔ جب ۹۳ ہجری میں سیلون کا قلعہ فتح ہوا تو محمد بن قاسم نے شہاب الدین کو اس کا حاکم مقرر کیا تھا۔ حضرت عبدالوہاب سچل سرمست انہی کی اولاد میں سے ہیں۔

انہیں بچپن ہی سے عشقِ الٰہی کا رنگ چڑھ گیا تھا ابھی بچے ہی تھے کہ پاؤں میں گھنگرو باندھے رقص قلندرانہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عبداللطیف بھٹائی نے دیکھا جو کبھی کبھاد دراز ن آیا کرتے تھے تو فرمایا "ہم نے معرفت الٰہی کی جو ہنڈیا پکائی ہے اس کا ڈھکن سچل اتاریں گے۔"

شاہ بھٹائی کی وفات کے بعد میاں سخی قبول ان کے گدی نشین ہوئے اور سچل سرمست نے انہی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا یہ امر خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ سچل سرمست ایک بلند پایہ صوفی شاعر تھے۔ اگرچہ اُن کا زیادہ تر کلام فارسی اور سندھی میں ملتا ہے۔ لیکن وہ عربی، اُردو اور پنجابی زبان میں بھی جانتے تھے اور ان زبانوں میں ان کے ارشادات موجود ہیں۔ ان کی بہت سی تصانیف بتائی جاتی ہیں۔ فارسی کلام کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے:

این عقدہ نبود آں کہ خدا بود خدا بود
او پاک وجود آں کہ خدا بود خدا بود
در نامِ فرید آمدِ آں یارِ یگانہ
پس عشق فرد و آں کہ خدا بود خدا بود

حضرت سچل سرمستؒ بیان کرتے تھے کہ مرشد اور رہنما کے بغیر گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ ضروری ہے کہ آدمی نہ صرف اپنی رہنمائی کے لیے کسی شیخ کامل کی تلاش کرے بلکہ فنافی الشیخ ہو جائے اس سلسلے میں ان کی بیان کردہ ایک حکایت دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

فرماتے ہیں ایک مرتبہ کوئی فقیر دریا عبور کرنے کے لیے کپڑے اُتار رہا تھا کہ وہاں گاؤں کا ایک آدمی بھی آ گیا۔ دریا چونکہ چڑھا ہوا تھا اور کوئی آدمی اُسے عبور نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے آدمی نے فقیر سے پوچھا: "یہاں کوئی کشتی تو ہے نہیں تم کیسے دریا پار کرو گے؟"

فقیر نے جواب دیا، "بس اللہ اللہ کہتا ہوا دریا کے پار اُتر جاؤں گا۔"

آپ نے درخواست کی کہ مجھے بھی ساتھ لے چلو فقیر نے کہا "بہت اچھا تو بھی آجا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ لے۔ مَیں اللہ اللہ کرتا ہوں تو میرے نام کا ورد کرتا چل۔"

دونوں دریا میں اُترے اور فقیر کے سہارے وہ آدمی بھی آگے بڑھتا رہا۔ جب نصف دریا پار ہو چکا تو آدمی کو خیال آیا کہ یہ خود تو اللہ اللہ کر رہا ہے اور مَیں اس کے نام کا ورد کر رہا ہوں یہ تو شرک ہے چنانچہ اس نے بھی اللہ اللہ شروع کر دیا۔ اسی وقت وہ دریا میں غوطے کھانے لگا۔ فقیر نے فوراً اسے سنبھالا اور کہا:

"تم نے میرا کہا نہیں مانا اور ڈوبنے لگے تھے۔ تم میرے نام کا ورد تو ٹھیک سے کر نہیں سکے اور اللہ کا ورد کیسے کرو گے۔ اگر پار اُترنا چاہتے ہو تو میرا ہی نام لیتے رہو۔" اس آدمی نے فقیر کی ہدایت پر عمل کیا اور پار اُتر گیا۔

☆

چور کی بینائی لوٹ آئی

مغلیہ دورِ حکومت میں قادری سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت شاہ بلاول اپنی بزرگی اور کرامات کی وجہ سے خاصے مشہور ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید عثمان اور دادا کا نام سید علیٰی تھا۔ آپ موضع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے، یہ شیخ شمس الدین کے مرید تھے اور دسویں واسطے سے آپ کا سلسلۂ طریقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔

حضرت شاہ بلاول دائم الصوم اور قائم اللیل شب بیدار تھے۔ ہمیشہ رات دن ان کا لنگر جاری رہتا۔ آپ مریضوں کے لیے پانی پڑھ کر دیتے، جس کے پیتے ہی بیمار صحت یاب ہو جاتے تھے۔ آپ کو بچپن سے زہد و ریاضت کا شوق تھا جس کی وجہ سے سات سال کی عمر ہی میں صاحبِ کرامت ہو گئے تھے۔ "محبوب الواصلین" کے مصنف نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک روز حضرت لڑکوں میں کھیل رہے تھے کہ ایک عورت روتی چلاتی ہوئی گزری۔ آپ نے دریافت فرمایا: "مائی تجھے کیا ہوا ہے؟" اس نے کہا میرا وہ لڑکا جو آپ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا مر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ مرا نہیں سویا ہوا ہے۔ چلو ہم اس کو دیکھتے ہیں۔ وہ عورت آپ کو ہمراہ لے گئی۔ حضرت نے اس کے سرہانے پہنچ کر فرمایا: "اٹھ اے یار! کھیل کے وقت کیوں سوتا ہے؟" وہ لڑکا فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ جب یہ کرامت مشہور ہوئی تو حضرت کے دادا عیسیٰ نے آپ کے والد حضرت شیخ عثمان سے کہا کہ شاہ بلاولؒ کو لاہور لے جاؤ، اس کی جگہ ہم میں نہیں۔

ان کی صدہا کرامات مشہور ہیں: "محبوب الواصلین" کے مصنف لکھتے ہیں کہ آپ کے محلے میں ایک شخص کے گھر لڑکا پیدا ہوا، وہ شخص غریب تھا۔ جب نقال اور مخنث بدھائی لینے آئے تو اس کے پاس دینے کو کچھ بھی نہ تھا۔ آپ پر اس کا حال کشف سے ظاہر ہوا تو حجرہ مبارک سے ایک مٹی کا لوٹا لے کر باہر آگئے اور وہ لوٹا دیوار سے مار کر خود حجرہ میں واپس چلے گئے۔ لوٹا دیوار سے لگ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس کے تمام ٹکڑے سونے میں تبدیل ہو گئے نقال اور ہیجڑے وہ طلائی ریزے اٹھا کر لے گئے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ رات کو آپ کے ہاں ایک چور آیا اور جب سامان چرانے لگا تو قدرت الٰہی سے اندھا ہو گیا۔ اسی حالت میں ایک کوٹھری میں جا چھپا۔ دوسرے روز (حسب دستور کہ ہزارہا مسافر اور غربا آپ کے ہاں سے روٹی کھاتے تھے) جب لنگر تقسیم ہو چکا تو آپ نے باورچی خانہ کے نگران کو بلا کر فرمایا کہ فلاں حجرہ میں جاؤ۔ وہاں ایک شخص رات کا بھوکا بیٹھا ہے۔ اس کو کھانا کھلاؤ، جب وہ وہاں پہنچا تو چور کو دیکھا۔ اس نے آکر تمام حال عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اس کو دوگنا کھانا دو۔ غرضیکہ کھانا کھلانے کے بعد اس کو کچھ عطا فرما کر رخصت کرنے لگے تو اس نے عرض کی کہ میں رات سے نابینا ہو گیا ہوں۔ آپ خدا سے مجھے آنکھیں بھی دلوا دیں۔ میں توبہ کرتا ہوں کہ پھر چوری نہ کروں گا۔ آپ نے اس کے منہ پر دستِ شفقت پھیرا تو وہ فوراً ٹھیک ہو گیا اور خوش و خرم واپس چلا گیا۔

حضرت شاہ بلاول مغل حکمران شاہجہان کے عہد میں گزرے ہیں۔ بادشاہ بھی ان کا عقیدت مند تھا۔ حضرت بلاولؒ کی زندگی کا زیادہ عرصہ لاہور گزرا اور وفات کے بعد وہ لاہور ہی میں دفن ہوئے۔ یہیں ان کا مزار ہے۔

*

خلیفہ احمد کو قبل از وقت باتیں معلوم ہو جاتی تھیں

عباسی خلیفہ الناصر الدین اللہ احمد بڑے جاہ وجلال کے انعمان تھے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ جس نے اُن سے سرکشی کی اسے تباہ کر دیا اور جو ان سے گستاخی کا ارادہ کرتا اسے خدا تباہ کر دیتا تھا۔ انہوں نے ۴۷ برس خلافت کی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہی کے عہد خلافت میں بیت المقدس کو فتح کیا۔ جس پر صلیبیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

خلیفہ ناصر کے بارے میں یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ انہیں غیبی باتوں کا علم ہو جاتا تھا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ جنات ان کے تابع ہیں اور وہ انہی کے ذریعے غیب کا علم حاصل کر لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں "تذکرۃ الخلفا" کے مصنّف علامہ جلال الدین سیوطی نے کئی عجیب وغریب واقعات رقم کیے ہیں۔

جب ماژندران کا ایلچی بغداد آیا تو اس کی شبینہ مصروفیات کا پرچہ ہر صبح خلیفہ کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ جس سے ایلچی بڑا پریشان ہوا اور اس قدر محتاط ہو گیا کہ سب کام پوشیدہ طور پر کرنے لگا تاکہ خلیفہ کے آدمیوں کو اس کی سرگرمیوں کا پتہ نہ چل سکے۔ اس احتیاط کے باوجود وہ جو کچھ کرتا تھا اس کی خبر خلیفہ تک پہنچ جاتی تھی۔ ایک رات ایلچی ایک جوان عورت کو چور دروازے سے گھر کے اندر بلایا اور شب بھر اس کے ساتھ داد عیش دیتا رہا۔ مگر صبح اس واقعہ کی رپورٹ بھی خلیفہ تک پہنچ گئی اور اسے جو خفیہ پرچہ دیا گیا۔ اس میں یہ اطلاع بھی درج تھی کہ رات کو جو لحاف ان دونوں نے اوڑھا تھا اس پر ہاتھی کی تصویر تھی۔

خلیفہ نے ایلچی کو بلا کر رات کا واقعہ سنایا تو وہ بد حواس ہو گیا اور سمجھ گیا کہ اسے علمِ غیب پر دسترس حاصل ہے۔

ایک دفعہ خوارزم شاہ کا قاصد خفیہ اور سر بمہر خط لے کر بغداد آیا جب وہ دربارِ خلافت میں حاضر ہوا، تو الناصر الدین اللہ نے اسے دیکھتے ہی کہہ دیا۔

"مجھے اس خط کا سب حال معلوم ہے جو تم لے کر آئے ہو لہٰذا اسی طرح واپس چلے جاؤ۔"

قاصد بصد حیرت واپس چلا گیا اور لوگوں کا یہ خیال یقین میں بدل گیا کہ امیر المومنین غیب کا علم جانتے ہیں۔

ہندوستان کا کوئی شخص باتیں کرنے والا ایک طوطا لے کر بغداد کی طرف روانہ ہوا جو "قل ہو اللہ احد" پڑھتا تھا۔ اس کا خیال تھا طوطا خلیفہ کی نذر کر کے انعام حاصل کرے گا مگر جب وہ بغداد میں پہنچا تو اتفاق سے طوطا مر گیا اور وہ صدمہ سے نڈھال ہو گیا کہ جو آرزو لے کر چلا تھا وہ پوری نہ ہو سکی۔ اتنے میں خلیفہ کا فراش اس کے پاس پہنچ گیا اور طوطا طلب کیا۔

ہندوستانی نے رو کر جواب دیا!" وہ تو کل رات مر گیا۔"

فراش نے بتایا:"میں جانتا ہوں کہ طوطا مر چکا ہے مگر یہ تو بتاؤ اس طوطے کے عوض تمہیں خلیفہ سے کتنے انعام کی توقع تھی؟"

ہندوستانی نے پانچ سو دینار کا ذکر کیا یہ سنتے ہی فراش نے ایک تھیلی اس کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔

"یہ لو اس میں پورے پانچ سو دینار ہیں جس روز تم ہندوستان سے روانہ ہوئے تھے۔ امیر المومنین کو اسی دن تمہاری خواہش کا حال معلوم ہو گیا تھا اور تمہارے لیے یہ رقم مخصوص کر دی تھی۔"

یہ سن کر ہندوستانی دم بخود رہ گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ جنات نے خلیفہ کو اس کے دل کی بات بتا دی ہو گی۔

جب مولانا رومؒ سلوک کی دُنیا میں آئے

مولانا جلال الدین رومیؒ کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ ان کی زندگی کے کچھ اور واقعات ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں۔

تذکرہ نویس لکھتے ہیں مولانا جب تک تصوف کے دائرے میں نہیں آئے تھے۔ وہ بڑے جاہ و جلال سے زندگی بسر کرتے تھے اور امراء، علما اور طلبا کا گروہ آپ کی رکاب میں چلتا تھا۔ مناظرہ کے میدان میں بھی وہ دوسرے عالموں کی بہ نسبت چند قدم آگے تھے۔ امراء اور سلاطین کے دربار میں بھی اُن کی پیشوائی ہوتی تھی۔ غرض وہ ہر جگہ شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے تھے، لیکن جب سلوک و عرفان کی دنیا میں داخل ہوئے تو ان کی حالت یکسر بدل گئی اور ان پر وجد و سکر کی حالت طاری رہنے لگی۔

علمائے حنفیہ کے حالات پر مشتمل "جواہر مغیہ" بڑی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے اس کتاب میں ایک عجیب واقعہ ہے کہ ایک روز مولوی جلال الدین رومیؒ گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ شاگرد آس پاس بیٹھے تھے۔ چاروں طرف کتابیں بکھری ہوئی تھیں کہ اتفاقاً شمس تبریزیؒ ایک جانب سے آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ چند لمحے بعد انہوں نے کتابوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا اور مولانا سے پوچھا: "یہ سب کیا ہے؟"

مولانا نے جواب دیا۔ "یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔"

یہ جواب سُن کر شمس تبریزی کا رنگ متغیر ہو گیا۔ انہوں نے نگاہ بھر کر کتابوں کی طرف

دیکھا تو ان میں آگ لگ گئی اور سب کتابیں جلنے لگیں۔ مولانا روم نے گھبرا کر پوچھا: "یہ کیا ہے؟"

شمس تبریزیؒ نے جواب دیا: "یہ وہ چیز ہے جسے تم نہیں جانتے۔"

یہ کہہ کر وہ اُٹھے اور چل دیئے۔ مولانا رومؒ جنہیں اپنے علم و فضل پر بڑا ناز تھا اور سمجھتے تھے کہ اس میدان میں کوئی عالم اُن کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ یہ کرامت دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی اور دل دُنیا سے بیزار ہوگیا۔ چنانچہ شان و شوکت کی زندگی ترک کردی، مال و اسباب چھوڑ دیا اور اولاد سے بھی کنارہ کش ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور شمس تبریزی کو تلاش کرنے لگے۔ مگر وہ ایسے روپوش ہو گئے تھے کہ ان کا کوئی نشان نہ مل سکا۔

کہا جاتا ہے کہ مولانا رومؒ کے شاگردوں نے حسد میں شمس تبریزیؒ کو قتل کر دیا تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ گم ہو گئے تھے اور پھر کسی کو نہیں ملے۔ سپہ سالار جو چالیس برس تک مولانا روم کی خدمت میں رہا۔ اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ شمس تبریزی رنجیدہ ہو کر کسی طرف نکل گئے تھے پھر ان کا کوئی پتہ نہ چل سکا کہ کدھر گئے ہیں۔ مگر دوسرے تمام تذکرے یہی بتاتے ہیں کہ مولانا کے مریدوں نے ان کی کرامت دیکھ کر مارے حسد کے انہیں قتل کر دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

☆

حضرت مجددؒ الف ثانیؒ نے جہانگیر کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا

دنیا کا پرانا دستور ہے کہ جب کوئی ہادی دین، راہبر اور اللہ کا پیارا لوگوں کی اصلاح پر معمور ہوتا ہے تو بعض فتنہ پرداز ان کے خلاف اپنے شیطانی عمل میں مصروف ہو جاتے ہیں چنانچہ جب ہندوستان میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تجدید دین اور احیائے سنّت کا کام شروع کیا اور بہت سے لوگ جن میں امرائے سلطنت کی بھی ایک خاص تعداد شامل تھی ان کے گرویدہ ہو گئے تو بعض شرپسندوں کو ان کی یہ مقبولیت کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحؒ کی تصنیفات میں "مکتوبات" کو خاص مقام حاصل ہے جس میں انہوں نے توحید و رسالت کے بارے میں لوگوں کو ہدایت فرمائی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب شہنشاہ اکبر کی وفات کے ساتھ ہی اس کا دینِ الٰہی بھی ختم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ سلیم الدین جہانگیر ہندوستان پر حکومت کرتا تھا۔ کابل کے ایک بدنہاد اور فتنہ پرور آدمی حسن خاں نے حضرت مجددؒ کی بیعت کر لی۔ مگر تھوڑے ہی دن کے بعد اس کے نفس کی شرارت کا شعلہ بھڑک اُٹھا۔ اس نے نہ صرف بیعت توڑ دی، بلکہ حضرت کے خلاف طرح طرح کی شرارتیں کرنے لگا۔ سب سے پہلے اس نے مکتوبات میں تحریف کی اور ان میں کفر و زندیقی کی باتیں اپنی طرف سے شامل کر کے ان کی بنیں جعلی نقول تیار کیں اور ہندوستان اور کابل میں علما و مشائخ کے پاس بھیج کر حضرت مجددؒ کے خلاف فتویٰ طلب کیا۔

کابل کے حسن خاں نے ایک ایسا فتنہ کھڑا کیا تھا کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء اس کی زد میں آ گئے۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدّث دہلوی بھی، جنہیں اپنے علم و فضل پر بڑا ناز تھا۔ اس فتنہ سے محفوظ نہ رہے اور انہوں نے حضرت مجدّد الف ثانی رح کے خلاف چند رسالے بھی تصنیف کر ڈالے:

ساتھ ہی دشمنوں نے جہانگیر کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ شیخ احمد سرہندی رح تو حکومت کے خلاف بغاوت کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور بادشاہ کا تختہ الٹ دینا چاہتے ہیں۔ چونکہ حضرت کا حلقہ ارادت بہت وسیع تھا۔ بیشمار لوگ ان کی عقیدت کا دم بھرتے تھے۔ جن میں متعدد امرائے سلطنت بھی شامل تھے۔ اس لیے جہانگیر کو خیال گزرا کہ شاید بغاوت کی اطلاع درست ہو اور حضرت مجدّد رح اپنی بادشاہت کے خواہش مند ہوں۔

جہانگیر کو یہ بھی بتایا گیا کہ شیخ احمد رح کے پاس ایک لاکھ زرہ پوش سوار ہیں جو کسی وقت بھی ان کے حکم پر یلغار کر سکتے ہیں۔ جہانگیر کے دل میں گرہ بیٹھ گئی۔ اب اس نے حضرت کی گرفتاری و قتل کے لیے سیاسی حیلہ گری شروع کی۔ سب سے پہلے تو ان امرائے سلطنت کو جو حضرت کے حلقہ بگوش تھے دور دراز علاقوں میں تبدیل کر دیا۔ چنانچہ خان خاناں کو دکن میں سید صدر جہاں کو مشرقی علاقے میں خانِ جہاں لودھی کو مالوہ میں اور مہابت خاں کو کابل میں بھیج دیا گیا۔ اسی طرح بعض دوسرے امراء کو بھی الگ الگ علاقوں کی گورنری دے کر مرکز سے ہٹا دیا گیا۔ یہ سب کچھ ملکہ نور جہاں اور اس کے بھائی آصف جاہ کی شرارت سے ہو رہا تھا جو بادشاہ کے ساتھ مل کر حضرت مجدّد رح کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے۔

آخر حضرت مجدّد رح کو دربار جہانگیری میں طلب کیا گیا اکبر کے عہد سے یہ رسم چلی آ رہی تھی کہ بادشاہ کی ملاقات کے وقت اسے سجدہ کیا جانے لگا تھا۔ جسے علمائے زمانہ نے "سجدہ تعظیمی" کہہ کر جائز قرار دے دیا تھا۔ فتنہ پردازوں کا خیال تھا کہ حضرت مجدّد الف ثانی رح کا امتحان اسی سجدے سے ہو گا۔ اگر انہوں نے بادشاہ کو سجدہ نہ کیا تو یہ بھی ایک دلیل بغاوت کی ہو گی۔

حضرت دربار میں آئے تو جہانگیر نور جہاں، آصف جاہ اور دیگر بدخواہ دربار میں موجود

تھے، مگر حضرت نے سجدۂ تعظیمی سے قطعی انکار کر دیا اور فرمایا کہ سجدہ صرف خدا کی ذات کو
کو جائز ہے۔

اس پر جہانگیر کا شبہ یقین میں بدل گیا کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہیں۔ اس نے غیظ و غضب میں
حضرت کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ مگر یہ بھی ایک تصرف الٰہی تھا کہ وہ اس وقت قتل کے حکم سے باز
رہا۔ البتہ اس نے حضرت کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ جس پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کو زنجیروں
میں جکڑ کر گوالیار کے قلعہ اجین میں نظر بند کر دیا گیا۔

حضرت حاتم اصمؒ نے ۳۳ سال میں آٹھ مسئلے سیکھے

حضرت حاتم آصمؒ حضرت شفیق بلخیؒ کے مرید تھے۔ انہیں جب اپنے پیر صاحب کی خدمت کرتے ہوئے ایک عرصہ گزر گیا تو ایک دن حضرت شفیق بلخیؒ نے ان سے دریافت فرمایا کہ "حاتم تمہیں میرے پاس رہتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا؟"

آپ نے جواب دیا "حضرت ۳۳ سال گزر چکے ہیں۔"

حضرت شفیق بلخیؒ نے پھر فرمایا۔ اس عرصے میں تم نے یہاں کیا حاصل کیا؟

انہوں نے کہا کہ میں نے آٹھ مسئلے سیکھے ہیں۔ جس پر حضرت استاد نے فرمایا: "مجھے بتاؤ کون کون سے مسئلے ہیں؟"

حضرت آصمؒ نے کہا۔

۱- دُنیا کا ہر شخص کسی نہ کسی چیز پر بھروسا کرتا ہے۔ کوئی مال و دولت پر، کوئی جائداد پر، کوئی تجارت پر، کوئی صحت پر، لیکن جب میں نے اللہ کے کلام پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتا ہے۔ اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ اس لیے میں نے ہر چیز پر بھروسا کرنا چھوڑ دیا اور اللہ پر توکل کر کے بیٹھ گیا۔

۲- میں نے دیکھا کہ ہر شخص کسی نہ کسی خاص شے کو محبوب بنا لیتا ہے جو مرتے دم تک اس کے ساتھ رہتی ہے۔ مگر جب وہ مر جاتا ہے تو اس کو اپنی محبوب چیز سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ اس لیے میں نے حسنات کو اپنا محبوب بنایا جو مرنے کے بعد بھی

میرے ساتھ ہوں گے۔

۳۔ ہر شخص اپنے حسب نسب، مال اور دولت عزت و شہرت پر ناز کرتا ہے۔ لیکن جب میں نے اللہ کے کلام پر غور کیا تو پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو۔ اس لیے میں نے تقویٰ اختیار کر لیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر قرار پاؤں۔

۴۔ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ہر شخص روٹی کے ٹکڑے کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہے اور جائز و ناجائز کا خیال تک نہیں کرتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔ اس یقین کے ساتھ کہ میں بھی اس کی مخلوق میں شامل ہوں۔ میں نے رزق کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اور اپنے آپ کو اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیا۔

۵۔ لوگ اپنی اپنی قیمتی چیزیں سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں اور ان کی ہر ممکن حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن جب میں نے اللہ کے کلام پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ سب ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔ اسی لیے میں نے اپنی جس چیز کو قیمتی پایا اس کو اللہ کی راہ میں دے دیا تاکہ اس کے پاس محفوظ رہے۔

۶۔ ہر شخص ایک دوسرے کی حالت دیکھ کر حسد کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہم نے تقسیم کیا لوگوں میں ان کی ضروریاتِ معاش کو"۔ اس چیز کو میں نے سامنے رکھا اور حسد سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ جب قسمت اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے تو مخلوق سے کیا معنی؟

۷۔ میں نے دیکھا کہ ہر شخص ایک دوسرے سے جھگڑتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس کو دشمن سمجھو وہ اپنے گروہ کو اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخی ہو جائے۔ اس لیے میں نے صرف شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور باقی تمام لوگوں سے عداوت ختم کر دی۔

❁

"صحیح النسب سیّد بُری حرکت نہیں کر سکتا"

کہتے ہیں کہ سمر قند میں ایک جلیل القدر علوی سید تھے جو اپنے عہد کے ایک بزرگ اور عالم ہونے کے علاوہ مصنّف بھی تھے۔ کتاب "نافع" انہی کی تصنیف ہے۔ ان کے ہاں ایک خوبصورت لونڈی تھی اور اس لونڈی سے ایک لڑکا بھی تھا جو بڑا لاڈلا سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ سید صاحب بھی اس سے بہت پیار کرتے تھے۔

ایک روز سقّہ پانی بھرنے کے لیے آیا اور پانی کی بھری ہوئی مشک گھڑوں میں ڈال کر چلا گیا۔ جب وہ دوسری بار مشک لے کر آیا تو اس کی مشک میں سوراخ تھا اور پانی کی ایک دھار اس سے خارج ہو رہی تھی۔ سید نے جب دیکھا تو تعجب سے پوچھا۔

"میاں! پہلے تم آئے تھے تو تمہاری مشک صحیح حالت میں تھی لیکن اب کے آئے ہو تو اس میں ایک سوراخ ہے آخر یہ کیا ماجرا ہے؟"

سقہ کہنے لگا۔

"کیا عرض کروں۔ دوسری مرتبہ جب میں پانی بھر کر لا رہا تھا تو آپ کے بیٹے نے جو تیر کمان سے کھیل رہا تھا ایک تیر چلا کر مشک میں سوراخ کر دیا۔"

سقہ تو یہ کہہ کر رخصت ہو گیا۔ سید صاحب کی حالت متغیر ہو گئی۔ انہوں نے فوراً تلوار کھینچی گھر کے اندر آئے اور سیدھے لونڈی کے کمرے میں پہنچے لونڈی انہیں اس جلالی کیفیت میں دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ سیّد نے لونڈی کو بازو سے پکڑ لیا اور کہا:

"میں تم سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں اگر تم نے صحیح جواب دیا تو تمہاری جان بخشی کا وعدہ کرتا ہوں۔"

لونڈی تو ان کی عجیب حالت ہی دیکھ کر کانپ اٹھی تھی۔ اب اس نے وعدہ کیا کہ جو کچھ وہ پوچھیں گے اس کا صحیح جواب دے گی۔ سیّد نے پوچھا:

"سچ بتاؤ یہ لڑکا جو تم نے جنا تھا کس کا ہے؟"

لونڈی پر لرزہ طاری ہو گیا کیونکہ لوگوں میں وہ سیّد صاحب ہی کا لڑکا مشہور تھا اور اس لیے لوگ بھی اس کی عزّت کرتے تھے۔ لونڈی نے پہلے تو بات کو چھپانے کی بہت کوشش کی آخر کار اسے یہ راز فاش کرنا پڑا کہ یہ لڑکا آپ کا نہیں، بلکہ فلاں غلام سے ہے۔

سیّد یہ بات سُن کر گھر سے باہر آئے اور لڑکے کو اپنے پاس بلایا جو باہر کھیل رہا تھا اس کے بالوں کی دو لٹیں تھیں۔ سیّد نے اسی تلوار سے ایک لٹ کاٹ دی کیونکہ دو لٹیں علوی ہونے کی علامت تھیں۔

لونڈی نے ان سے اپنی خطا کی معافی مانگ لی اور دریافت کیا کہ آخر انہیں لڑکے کی اصلیت پر شبہ کیسے ہوا تھا؟ سید نے جواب دیا کہ کسی صحیح النسب سیّد سے ایسی حرکت سرزد نہیں ہو سکتی جو تمہارے لڑکے سے ہوئی تھی۔ اگر وہ سقّے کی مشک میں سوراخ نہ کرتا تو شاید میں اس کے بارے میں غلط فہمی میں مُبتلا رہتا۔

❖

غیب سے بیس ہزار دینار کی تھیلی آ گئی

نیشا پور میں ایک بزرگ تھے جن کا نام ابوالعباس تھا۔ وہ قصاب تھے ایک مرتبہ ان کے والد کہیں سفر پر گئے تو بیٹے سے کہہ گئے:

"گھر میں جو بکریاں ہیں انہیں ذبح کر کے گوشت فروخت کر دینا اور جو رقم وصول کرو اسے جمع کرتے رہنا۔ میں واپس آ کر تم سے حساب لے لوں گا۔

ابوالعباس کے گھر میں چند بکریاں تھیں۔ باپ کی روانگی کے بعد انہوں نے بکریاں ذبح کر کے اُن کا گوشت بیچنا شروع کر دیا اور جو رقم آتی تھی اسے باقاعدگی سے جمع کرتے جاتے۔ کچھ عرصہ کے بعد باپ سفر سے واپس آ گیا تو اُس نے اپنے مکان کے باہر ہڈیوں کا ایک ڈھیر دیکھا اور بیٹے سے پوچھا:

"یہ ہڈیاں کیسی ہیں؟"

ابوالعباس نے جواب دیا: "یہ اُن بکریوں کی ہڈیاں ہیں جن کا گوشت میں نے فروخت کر دیا ہے۔"

باپ نے حیران ہو کر پوچھا "گوشت کے ساتھ تم نے ہڈیاں کیوں فروخت نہیں کیں۔"

ابو عباس نے کہا: "لوگ تو مجھ سے صرف گوشت خریدنے آتے تھے۔ پھر میں اُن کے ہاتھ ہڈیاں کیسے بیچ سکتا تھا۔"

اس جواب پر باپ بے حد ناراض اور مشتعل ہو گیا اور کہنے لگا: "ہمارا دستور یہی ہے کہ

گوشت کے ساتھ ہڈیاں بھی فروخت کی جاتی ہیں۔ مگر تم نے صرف گوشت فروخت کر کے میرا بہت نقصان کر دیا ہے اور ہڈیاں بچا لی ہیں، حالانکہ یہ بھی گوشت کے ساتھ اسی بھاؤ فروخت ہو سکتی تھیں۔ اب ان ہڈیوں کو کون خریدے گا۔ یہ تو بالکل بیکار ہیں۔ تمہاری غفلت و لاپرواہی سے مجھے بڑا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ تم نے میری رقم ضائع کر دی ہے۔"

باپ نے غصّے میں نجانے انہیں اور کیا کیا کہا۔ ابوالعباس خاموشی سے باپ کی سنتے رہے پھر بولے۔ "یہ تو بتایئے۔ آپ کی کتنی رقم ضائع ہو گئی ... کتنا نقصان ہو گیا۔"

باپ نے غصّے میں تنگ آ کر کہا: "میرا کم از کم ۲۰ ہزار دینار کا نقصان ہو چکا ہے۔ لیکن اب تم کیا کر سکتے ہو تم نے تو مجھے تباہ کر دیا۔"

ابوالعباس ۲۰ ہزار دینار کا سُن کر بڑے پریشان ہو گئے۔ غالباً انہوں نے اتنی رقم کا گوشت بھی فروخت نہیں کیا ہو گا۔ باپ نے ہڈیوں کی قیمت گوشت سے بھی زیادہ لگائی تھی۔ پریشانی کے عالم میں انہوں نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیئے اور خدا سے التجا کی کہ مجھ پر ۲۰ ہزار دینار کا الزام لگایا گیا ہے یہ نقصان پورا کر دیا جائے۔

اچانک غیب سے اُن کے ہاتھ میں ایک تھیلی آ گئی۔ انہوں نے وہ تھیلی باپ کو دے دی اور کہا کہ رقم گن لو۔ جب باپ نے تھیلی میں سے رقم نکال کر گنی تو وہ بڑا حیران اور پریشان ہوا کیونکہ وہ ٹھیک ۲۰ ہزار دینار تھے۔

☆

وہ ہوا کی لہر بن کر روزن میں داخل ہو گئی

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ۸۶۱ ہجری میں پیدا ہوئے وہ شیخ محمد صابر کے مرید اور بڑے صاحبِ خارق بزرگ تھے علم سلوک میں کمال حاصل کیا اور ترک دنیا کر کے یادِ خدا میں ایسے محو ہوتے کہ اپنے جسم کا بھی ہوش میں نہ رہتا تھا۔ حتیٰ کہ علم توجہ سے انہیں اپنے جسم پر ایسی قدرت حاصل ہو گئی کہ اسے جس سانچے میں چاہتے ڈھال لیتے تھے۔

ہو سکتا ہے عام لوگوں کے نزدیک یہ بات ناممکن ہو۔ لیکن جو لوگ روحانیت سے شغف رکھتے اور علم توجہ کے اسرار و رموز کو سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسی باتیں ناممکن العمل نہیں، کیونکہ اس علم کے بڑے بڑے حیرت انگیز معاملے دیکھنے میں آتے ہیں۔ جن پر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے حالات و واقعات "مراۃ الاسرار" اور "لطائف قدسی" میں درج ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روحانیت کے بڑے بلند مقام پر پہنچ گئے تھے ان کا کھانا پینا چھوٹ گیا تھا۔ صرف ہوا پر جیتے تھے مگر سینے کے اندر معرفت کی آگ روشن تھی۔ جب سانس لیتے تو بوئے کباب آتی تھی کہ جسم اس آگ میں جل کر سوختہ ہو چکا تھا۔

"اقتباس الانوار" میں ان کے علم توجہ اور روحانیت کا ایک عجیب واقعہ رقم ہے۔ روایت ہے کہ جب شیخ عبدالقدوس گنگوہ میں آئے تو وہ کسی سنیاسی کا بڑا خوبصورت مٹھ تھا۔ شیخ کو وہ جگہ پسند آئی اور وہاں قیام کرنا چاہا مٹھ کے اندر جا کر چیلوں سے پوچھا "گورو جی کہاں ہیں؟"

چیلے کہنے لگے۔ ایک سال گزرا غار میں گئے تھے باہر نہیں نکلے۔ وہ بیٹھ کر تپسیا کرتے ہیں غار کی دیوار میں صرف ایک روزن ہوا کی آمد و رفت کے لیے رکھا ہوا ہے۔ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ بس گپھا میں بیٹھے چلہ کاٹ رہے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ ان کے پاس جا سکے۔

شیخ صاحب نے گپھا کے اس روزن کے پاس جو ہوا کے لیے رکھا ہوا تھا۔ بیٹھ کر مراقبہ کیا۔ اپنے علمِ توجہ سے جسم پر غلبہ پا لیا۔ جسم لطیف رنگ میں تبدیل ہو گیا اور وہ رنگ کی لہر بن کر اس روزن میں داخل ہوئے اور گپھا میں پہنچ گئے اندر جا کر دیکھا کہ جوگی حبسِ دم کیے اپنے چلّہ میں مصروف ہے شیخ نے اپنی روحانی قوت سے اس کی روح کو حرکت دی وہ ہوش میں آیا تو پوچھنے لگا" تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو ؟"

حضرت نے جواب دیا" خدا کا بندہ ہوں اور اسی کی قدرت سے یہاں آیا ہوں۔ مگر تو یہاں کیا کر رہا ہے اور تو نے کیا کچھ حاصل کیا ہے ؟"

جوگی کہنے لگا مجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے دیکھ لو، یہ کہہ کر اس نے پانی کی شکل اختیار کر لی۔ شیخ صاحب نے اس پانی میں اپنا کپڑا تر کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جوگی پھر پہلی ہیئت پر آ گیا۔ شیخ نے فرمایا" اب میں پانی ہوا جاتا ہوں"۔ چنانچہ شیخ نے پانی کی شکل اختیار کر لی اور جوگی نے بھی اس پانی میں اپنا کپڑا تر کر لیا۔ جب شیخ اصل ہیئت میں آئے تو فرمایا" میں نے جو کپڑا تر کیا تھا اسے سونگھو اور جو کپڑا تم نے تر کیا ہے اسے بھی سونگھو"

جب جوگی نے اپنے پانی والا کپڑا سونگھا تو بدبو سے دماغ پھٹنے لگا۔ مگر جب شیخ کے پانی میں بھیگا ہوا کپڑا سونگھا تو دماغ معطر ہو گیا۔ جوگی ان کے قدموں میں گر گیا کہ آپ کاملِ فقیر ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ تمہارے پانی میں کفر کی بدبو ہے اور میرے پانی میں اسلام کی خوشبو ہے۔ چنانچہ جوگی نے اسلام قبول کر لیا۔

(یاد رہے ایک جسم سے کسی دوسرے جسم میں منقلب ہو جانا قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔ اس قسم کی جو کہانیاں مشہور ہیں۔ وہ غالباً خواب یا کشف سے تعلق رکھتی ہیں۔)

وہ حکومت چھوڑ کر درویش بن گئے

حضرت سید اشرف جہانگیرؒ عراق کے علاقہ سمنان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سمنان کے حاکم تھے۔

سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے کہ بہت سی کتابوں کے علم میں مہارت حاصل کر لی جس پر علاقے میں ان کی شہرت پھیل گئی۔

باپ کی وفات کے بعد سید اشرف نے سمنان کی حکومت سنبھالی اور عدل و انصاف کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرنے لگے۔ لیکن ایک رات خواب میں اشارہ ہوا کہ حکومت ترک کر کے ہندوستان چلے جاؤ اور وہاں جا کر لوگوں کو راہ ہدایت دکھاؤ۔

اس اشارۂ غیبی پر انہوں نے حکومت اپنے چھوٹے بھائی سلطان محمد کے سپرد کی اور خود ماوراء النہر بخارا اور سمرقند سے ہوتے ہوئے ملتان میں آئے۔ جہاں مخدوم جہانیاںؒ سے فیض حاصل کرنے کے بعد دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس زمانے میں بنگال میں مشہور چشتی بزرگ حضرت شیخ علاؤ الدین جو "علاء الحق" کے لقب سے شہرت رکھتے تھے۔ تشریف فرما تھے۔ اگرچہ اُن کے عزیز و اقارب اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔ لیکن انہوں نے درویشی اختیار کر لی تھی۔ سید اشرف جہانگیر بنگال کی طرف روانہ ہوئے اور دل میں ارادہ یہ کیا تھا کہ اگرچہ شیخ علاؤ الدین سے واقفیت نہیں ہے لیکن ان سے ملاقات ضرور ہو گی بغیر اطلاع کیے ان کی طرف چل دیے۔

تذکرہ نویس لکھتے ہیں۔ حضرت شیخ علاؤالدین ایک دن آرام کر رہے تھے کہ یک لخت اُٹھ بیٹھے اور بولے :" اس طرف سے بوئے یار آرہی ہے ۔"

یہ کہہ کر وہ اسی طرف چل دیئے ۔ جدھر اشارہ کیا تھا۔ ابھی تھوڑی دُور گئے تھے کہ سیّد اشرف جہانگیر آتے دکھائی دیئے تو لپک کر ان کی طرف بڑھے ۔ ادھر جب سید اشرف نے شیخ علاؤالدین کو خود اپنے استقبال کے لیے آتے دیکھا تو بھاگ کر ان کے قدموں میں گر گئے ۔ شیخ نے بڑی محبت کے ساتھ گلے لگایا اور اپنی خانقاہ میں لے آئے ۔

☸

شیخ ابو سعید نے حاکم شہر کی نقدی واپس کر دی

شیخ ابو سعید تبریزیؒ جو حضرت شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ کے ہم عصر تھے۔ ایک بہت بڑے بزرگ اور تارک الدنیا ولی تھے۔ اُن کے مرید بہت تھے اور بعض اوقات شیخ ابو سعید کے ساتھ وہ بھی فاقے کرتے تھے۔ حاکم شہر نے جب بھی کوئی نیاز وغیرہ بھیجی۔ انہوں نے واپس کر دی، کسی اور سے بھی کوئی چیز قبول نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ اُن کی خانقاہ میں تین روز تک کھانا نہ پکا۔ شیخ ابو سعیدؒ تربوز اور خربوزے کھا کر گزر بسر کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ یہ خبر شہر میں پھیلی اور والیٔ شہر تک پہنچی کہ شیخ ابو سعید کی خانقاہ میں کھانا نہیں ملتا۔ والیٔ شہر نے ایک آدمی کو بلایا اور کہا۔

" اگر میں کوئی چیز وہاں بھیجتا ہوں تو شیخ ابو سعیدؒ اُسے قبول نہیں کرتے تم یہ نقدی لے جاؤ اور اس شرط پر خانقاہ کے خادمِ خاص کے سپرد کر آؤ کہ وہ شیخ سے اُس کا ذکر نہ کرے یہی صورت ہے جس سے ہم فقیروں اور اُن کے مرشد کی خدمت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ آدمی تھیلی لے کر خانقاہ میں پہنچا اور خادم خاص سے ملا۔ اُس نے حاکم شہر کی طرف سے نقدی پیش کرتے ہوئے یہ تاکید بھی کر دی کہ خبردار! شیخ کو اس بات کی خبر نہ ہونے پائے کہ مال کہاں سے آیا اور کس نے بھیجا ہے۔

خانقاہ کے منتظم نے وہ نقدی قبول کر لی اور اُس سے کچھ رقم نکال کر کھانے وغیرہ کا بندوبست کیا۔ شیخ ابو سعیدؒ نے بھی کھانا کھایا۔ لیکن محسوس کیا کہ اس کھانے کی وجہ سے اُن کی عبادت میں وہ پہلا سا ذوق اور اطاعت میں وہ پہلی سی راحت نہیں رہی۔ انہوں نے فوراً خادم

خاص کو جو خانقاہ کا منتظم تھا طلب کیا اور پوچھا:

"آج کل تم خرچ کیسے چلا رہے ہو؟"

خادم خاموش رہا۔ جس پر آپ نے زور دے کر پوچھا تو وہ بات چھپا نہ سکا اور اس نے بتا دیا کہ حاکمِ شہر نے ایک آدمی کے ہاتھ نقدی بھیجی اور تاکید کی تھی کہ آپ سے اس کا ذکر نہ کیا جائے۔

شیخ نے فرمایا۔

"تم اس کھانے کے عوض ہمیں عبادتِ الٰہی سے بے مزہ کرنا چاہتے ہو؟"

پھر پوچھا: "حاکمِ شہر کا جو آدمی نقدی لے کر آیا تھا۔ وہ خانقاہ میں کس طرح آیا اور اس کے قدم کہاں تک پڑے تھے۔"

خادم نے اُس جگہ کی نشاندہی کی، جہاں جہاں اس آدمی کے قدم پڑے تھے۔ شیخ نے حکم دیا کہ یہ ساری جگہ کھود دو اور اس کی مٹی باہر پھینک دو۔ چنانچہ وہ زمین کھودی گئی اور مٹی باہر پھینکوا دی گئی۔ اس کے بعد شیخ ابوسعید نے خادم خاص کو حاکمِ شہر کی بھیجی ہوئی نقدی سمیت خانقاہ سے نکال دیا۔

شیخ ابوسعید تبریزیؒ تارک الدنیا بزرگ تھے۔ انہیں دُنیا کے مال سے کوئی غرض نہ تھی اور وہ اپنے مریدوں کو بھی یہی سبق دیا کرتے تھے کہ عبادت کا لُطف فقر و فاقہ میں ہے۔ مشہور بزرگ شیخ جلال الدین تبریزیؒ انہی شیخ ابوسعید کے مرید تھے۔

☆

حضرت بابا بلھے شاہ رح

حضرت بابا بلھے شاہ رح جو برصغیر کے صوفی شعراء میں بلند مقام رکھتے اور ہر طبقۂ خیال میں بہت مقبول ہیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی خلقِ خدا کی بھلائی اور انہیں نیکی کی تعلیم دینے میں صرف کر دی۔ پنجابی زبان میں ان کی شاعری نے بھی عوام کو بے حد متاثر کیا۔ کیونکہ وہ ایسے شعر کہتے تھے جو لوگوں کے دلوں میں گھر جاتے تھے۔ ان کی کافیاں بہت مشہور ہیں اور بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سماع کی محفلوں میں گائی اور سنی جاتی ہیں۔

باباجی کے والد جناب سخی محمد درویش اوچ شریف سے ہجرت کر کے قصور کے قریب ایک گاؤں پانڈو میں آ کر رہائش پذیر ہوئے جہاں انہیں کچھ زمین مل گئی تھی۔ ایک روایت کے مطابق باباجی اسی گاؤں پانڈو میں پیدا ہوئے۔ دوسری روایت کے مطابق وہ اوچ شریف گیلانیاں (بہاولپور) میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ پانڈو آئے تھے۔ اس زمانے میں قصور کا شہر علم و عرفان کا مرکز تھا۔ وہاں حضرت شاہ عنایت قادری نے علم کی محفل سجا رکھی تھی اور بے شمار لوگ ان سے فیض حاصل کر رہے تھے۔

باباجی کو بھی بچپن ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا۔ چنانچہ وہ بھی حصولِ علم کے لیے قصور آئے اور جب معرفت کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت شاہ عنایت کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

بابا بلھے شاہ نے جو علم حاصل کیا اسے عوام تک پہنچانے اور انہیں معرفت کی باتوں سے

آگاہ کرنے کے لیے پنجابی شاعری کو ذریعہ اظہار بنایا چونکہ وہ حق کی بات کہتے تھے۔ اس لیے ان کے سیدھے سادھے شعر دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے ان کی بہت سی کافیاں زبان زد عام ہیں۔ ان کی ایک نظم بہت مشہور ہے۔

علموں بس کریں او یار
علم نہ آوے وچ شمار
اکو الف تیرے درکار
جاندی عمر دا نئیں اعتبار
علموں بس کریں او یار

پڑھ پڑھ نفل نماز گزاریں
اُچیاں بانگاں چانگاں ماریں
منبر چڑھ کے وعظ پکاریں
تینوں کیتا حرص نے خوار
علموں بس کریں او یار

یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ فتویٰ فروش مولویوں اور ملاؤں نے بابا بلھے شاہؒ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا تھا کیونکہ باباجی کم علم مولویوں کے خلاف مصروفِ جہاد تھے اور لوگوں کو ان کی طرف راغب ہونے سے روکتے تھے۔ وہ ظاہر بین ملاؤں پر طنز کرتے ہوتے لکھتے ہیں۔

پھوک مصلے بھن سٹ لوٹا
نہ پھڑ تسبیح عاصا سوٹا
عاشق کہندے دے دے ہوکا
ترک حلالوں کھا مردار
عشق دی نویں نویں بہار

بابا بلھے شاہ کا اصل نام عبداللہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق وہ ۱۱۷۱ھ مطابق ۱۷۵۸ء میں فوت ہوئے۔ لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی وفات ۱۱۸۱ھ کے بعد واقع ہوئی تھی۔ واللہ اعلم۔

☆

میری صدری کے استر میں چالیس اشرفیاں ہیں

حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رح ۴۷۱ ہجری میں ایران کے شہر گیلان میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۵۶۱ ہجری کو دارالخلافت بغداد میں وفات پائی۔

آپ کی زندگی خدمتِ اسلام میں بسر ہوئی اور بے شمار لوگوں نے آپ سے ہدایت کا نور حاصل کیا۔ آپ کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج بھی کروڑوں مسلمان "یا غوث الاعظم جیلانی" کا ورد کرتے ہیں۔ اہل طریقت آپ کو "پیران پیر" کے لقب سے جانتے ہیں۔

یوں تو حضرت غوثِ اعظم رح کی زندگی میں بے شمار کرامتیں ظہور میں آئیں، لیکن نوجوانی کے عالم میں آپ کی ذاتِ گرامی سے جو کرامت ظاہر ہوئی اس کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں۔ حضرت غوث پاک کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ جب انہوں نے تکمیلِ علم کی خاطر بغداد کے سفر کے لیے والدہ ماجدہ سے اجازت لی۔ ماں نے چالیس اشرفیاں ان کی صدری کے استر میں چھپا کر سی دیں اور جب انہیں رخصت کرنے لگیں تو کہا: "بیٹا جھوٹ کبھی نہ بولنا۔"

سید عبدالقادر رح قافلہ کے ہمراہ بغداد کی طرف روانہ ہوئے مگر راہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ کو لوٹ لیا اور مسافروں کے پاس کچھ بھی باقی نہ چھوڑا۔ ایک ڈاکو نے حضرت سے پوچھا: "کیا تیرے پاس بھی کوئی چیز ہے؟"

آپ کو ماں کی نصیحت یاد آگئی اور بولے: "ہاں میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں۔"

ڈاکو نے سمجھا کہ نوجوان غلط بیانی کر رہا ہے۔ اگر اس کے پاس اشرفیاں ہوتیں تو نظر نہ آتیں۔ اس نے غصّے میں پوچھا: "کہاں ہیں اشرفیاں؟"

آپ نے جواب دیا: "میری صدری کے استر میں سلی ہوئی ہیں۔"

وہ ڈاکو آپ کو اپنے سردار کے پاس لے گیا اور سب حال سُنایا۔ جب آپ کی صدری کی تلاشی لی گئی تو واقعی چالیس اشرفیاں برآمد ہوئیں۔ جس پر ڈاکوؤں کے سردار نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے دریافت کیا: "اگر تم خود نہ بتاتے تو شاید ہم ان اشرفیوں کو حاصل نہ کر سکتے۔ لیکن مجھے یہ بتاؤ تم نے اپنی پونجی ظاہر کیوں کر دی۔ جبکہ لوگ ڈاکوؤں سے اسے چھپایا کرتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا: "ماں نے مجھے نصیحت کی تھی کہ کسی بھی حالت میں جھوٹ نہ بولوں۔"

یہ جواب سُن کر ڈاکوؤں کے سردار پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور وہ روتے ہوئے کہنے لگا کہ یہ اپنی ماں کے حکم پر چلتا ہے اور میں اپنے خالق و مالک کے حکم سے غافل ہوں۔

☆

وُہ چالیس روز بعد زمین سے زندہ نکل آئے

پنجاب کے بیشتر صوفیاؒ سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کی کئی شاخیں یہاں پر آئیں اور انہوں نے رشد و ہدایت کے فرائض سرانجام دیئے۔ انہی شاخوں میں نمایاں ترین شاخ نوشاہی قادری ہے۔ اس شاخ کے بزرگوں نے عوام الناس کی اصلاحِ احوال کے لیے اُن جیسے ہی طور طریقے اپنائے اور ان کی ثقافت کو بھی قبول کیا۔ اس سلسلہ کے بانی حضرت نوشہ گنج بخش ہیں جو ۲۱ اگست ۱۵۵۲ء کو گجرات میں پیدا ہوئے اور ۱۷ جنوری ۱۶۵۴ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کے خلفاءؒ کی تعداد ۴۳ بتائی جاتی ہے۔ جن میں سے ان کے ایک خلیفہ عبدالرحمان بہت مشہور ہیں۔ ان کا تعلق ضلع گوجرانوالہ کے مقام بھڑی کلاں سے تھا اور لوگ ان کو پاک رحمٰن کے نام سے جانتے تھے۔

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا نام پاک رحمٰن اسی بناء پر پڑا کہ ایک دفعہ یہ اپنے مرشد حضرت نوشہ گنج بخش کے ساتھ چلے جاتے تھے کہ راستے میں دریا پڑ گیا۔ وہاں حضرت نوشہؒ تو کشتی پر سوار ہو گئے۔ لیکن جب پاک رحمٰن کشتی پر سوار ہونے لگے تو اُن کا پاؤں پھسل گیا اور دریا میں جا پڑے۔ ادھر اتفاقاً پتھر کی ایک سِل دریا کے کنارے سے گر کر اُن پر جا پڑی اور وہ اس کے نیچے دب گئے۔ حضرت نوشہؒ اس وقت حالتِ استغراق میں تھے۔ لہٰذا انہوں نے توجہ نہ دی اور چلے گئے۔ چالیس روز کے بعد خادم نے عرض کیا، حضرت چالیس دن سے عبدالرحمٰن نظر نہیں آ رہے۔ حضرت نوشہ نے خیال باطن کو دریا پر مرتکز کیا اور دیکھا کہ اس جگہ سے پانی ہٹ گیا تھا

اور سفید زمین نکل آئی تھی۔ انہوں نے اس جگہ کو کھدوایا تو حضرت عبدالرحمٰن زندہ سلامت باہر نکل آئے اس موقع پر انہوں نے فرمایا: "اے عبدالرحمٰن تو تکلیف زمانہ سے پاک ہے" اسی دن سے لوگوں نے ان کو پاک رحمٰن کے لقب سے یاد کرنا شروع کر دیا۔

نوشاہی قادری سلسلہ کے لوگوں کی شکل وصورت بالکل ملنگوں کی سی ہوتی ہے۔ چنانچہ اہلِ شریعت عام طور پر ان کو ناقابلِ اعتراض ٹھہراتے ہیں یہی معاملہ پاک رحمان کے ساتھ بھی پیش آیا۔ موضع بھڑی کے ساتھ ہی ایک اور موضع پچھیڑ ہے۔ جہاں اس زمانے میں بہت بڑے عالمِ دین حافظ برخوردار کا قیام تھا۔ وہ شریعت کے سختی سے پابند تھے اور پنجابی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ پہلے پہل تو انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ آخر وہ خلیفہ عبدالرحمٰن کی ظاہری شکل و صورت پر اعتراض کرنے لگے۔ حافظ برخوردار کا خیال تھا کہ اگر خلیفہ عبدالرحمٰن نیک بزرگ اور بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہیں تو انہیں لباس بھی صاف ستھرا پہننا چاہیئے مگر خلیفہ عبدالرحمٰن سے بجز ملنگی لباس کوئی بات خلافِ شریعت واقع نہیں ہوئی۔

۵

خود ساختہ "خدا" نے توبہ کرلی

حضرت سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ ایک معروف بزرگ گزرے ہیں۔ بزرگانِ دین سے متعلق کتابوں میں ان کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ آپ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں کرت پور گیا تو دیکھا صبح دم سجادہ نشین صاحب آئے اور حضرت احمد شاہؒ کے مزار کا طواف کیا اور سجدہ کیا۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا آپ نے طواف اور سجدہ تو یہاں ادا کرلیا اگر حضرت غوث الاعظمؒ کے مزار پر آپ جائیں تو آپ کیا کریں گے اور رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے روضہ مبارکہ پر حاضری کے لیے کیا باقی رکھا ہے اور پھر شاید خدا سے تو کوئی مطلب ہی نہیں جس کے لیے کچھ ادب و تعظیم درکار ہو۔

وہ خفا ہوئے اور بولے میاں طالب علم حجتی ہوتے ہیں۔ اسی لیے ان کو فیض نہیں ہوتا میں نے کہا صاحب ایسے فیض کو ہمارا سلام، جس کے لیے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے سر جھکائیں اور توحید کو چھوڑ کر شرک میں مبتلا ہو جائیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت غوث علی قلندر کی خدمت حاضر ہوا اور آپ سے کشائش رزق کے لیے وظیفہ پوچھا آپ نے فرمایا: "میاں اگر ورود و وظائف پر روزی کا انحصار ہوتا تو دنیا میں مولویوں سے بڑھ کر کوئی دولت مند نہ ہوتا۔ سچ پوچھو تو اس معاملے میں وظیفہ الٹا اثر کرتا ہے۔ کیونکہ دنیا ایک میل کچیل ہے اور خدا کا نام صابن۔ بھلا صابن سے میل میں اضافہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ کا نام تو صرف اس لیے ہے کہ اس کی برکت سے دنیا کی محبت دل سے

دُور ہو جائے نہ کہ آدمی دُنیا میں زیادہ آلودہ ہو جائے۔ اس شخص نے پھر اصرار کیا تو آپ نے اسے ایک وظیفہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ اس وظیفے کو مسجد سے باہر آکر پڑھنا۔ کیونکہ خدا کے گھر میں دُنیا طلبی کا کیا کام۔

غوث علی شاہ قلندرؒ فرماتے ہیں۔ مَیں ایک مرتبہ بابری گیا۔ وہاں ایک گمراہ شخص نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ ایک دن وہ میرے پاس آیا۔ مَیں نے اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ مَیں خدا ہوں۔ مَیں نے کہا: واہ حضرت ہم تو مدت سے آپ کی تلاش میں تھے۔ اسی تلاش میں گھر چھوڑا وطن چھوڑا اور آپ ہی کی جستجو میں جابجا پھرتے رہے۔ آپ خود ہی تشریف لے آئے آپ نے ہمارے حال پر بڑا احسان فرمایا پھر مَیں نے اس کے لیے کھانا منگوایا۔ اتفاق سے اس دن چنے کی روکھی روٹی تھی۔ اس سے اچھی طرح نہ کھائی گئی۔ لقمہ گلے سے نیچے اُترنا دشوار تھا کچھ ناراض سا ہونے لگا۔ مَیں نے کہا ناراضگی کی کیا بات ہے آپ خود ہی انصاف کیجیے۔ خدا تو آپ ٹھہرے جیسا کچھ آپ نے دیا۔ سامنے لاکر رکھ دیا۔ آپ اگر پلاؤ دیتے تو وہی پیش کر دیتا اس کے بعد مَیں نے قرآن کی ایک آیت پڑھی اور اس سے آیت کے معنی دریافت کیے۔ کہنے لگا کہ مَیں تو ناخواندہ ہوں۔ مَیں نے کہا: سبحان اللہ آپ بھی عجیب خدا ہیں کہ خود قرآن پاک نازل کیا اور اس کے معنی بھی نہیں جانتے۔ اس پر وہ بہت ہی نادم ہوا اور اپنے قول سے توبہ کر لی۔

ٍ٭

بوڑھا آہن گر صاحبِ کرامت درویش تھا

قاضی قطب الدین کاشانی رح اپنے زمانے کے مشہور علمائے حق میں شمار ہوتے ہیں۔ جب وہ ملتان سے دہلی آئے تو سلطان ہند شمس الدین التمش نے کھڑے ہو کر اُن کا استقبال کیا تھا جس سے اُن کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ قاضی سے دریافت کیا گیا: "کیا آپ درویشوں پر اعتقاد نہیں رکھتے؟"

قاضی قطب الدین کاشانی نے جواب دیا۔

"وہ درویش جو مَیں نے دیکھے ہیں۔ اب کہاں پاؤں گا۔"

پھر انہوں نے ایک عجیب وغریب واقعہ بیان کیا اور کہا کہ ایک مرتبہ جب مَیں کاشغر میں تھا تو میرا چھوٹا چاقو ٹوٹ گیا۔ مَیں اسے لے کر بازار میں گیا اور چاقو بنانے والے آہن گر کو دکھا کر پوچھا: "کیا تم یہ چاقو بالکل ویسا کر دو گے جیسا کہ یہ پہلے تھا"

آہن گر نے جواب دیا کہ پہلے جیسا تو ہر گز نہیں ہو سکے گا۔ اس سے کچھ تو کم ہو گا، کیونکہ جب ایک چیز کا سرا باہر نکالا جاتا ہے اور وہ دستہ میں لگا کر استعمال ہوتی ہے تو مرمت کے وقت یقیناً اُس میں کمی ہو جاتی ہے اس پر مَیں نے اصرار کیا کہ مجھے تو ویسا ہی چاقو چاہیئے۔ جیسا پہلے تھا۔ آہن گر نے بتایا کہ فلاں دکان پر چلے جاؤ۔ وہاں ایک بوڑھا آدمی چاقو بناتا ہے۔ وہ بڑا بزرگ اور نیک آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ تمہاری غرض پوری کر دے۔

مَیں آہن گر کی نشاندہی پر اُس دکان پر پہنچا جس کا پتہ دیا گیا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ فی الواقع

وہاں ایک بوڑھا درویش موجود تھا۔ میں نے اسے چاقو دکھایا اور کہا: ”میں چاہتا ہوں مرمت کے بعد یہ بالکل ویسا ہو جائے جیسا پہلے تھا“

اس درویش نے جواب دیا: ”مرمت کے بعد چاقو پہلے سے چھوٹا ہو جائے گا۔“

میں نے کہا... ”اگر مجھے ایسی ہی مرمت کرانا ہوتی تو تمہارے پاس کیوں آتا۔ اس قسم کی مرمت تو ہر آہن گر کر سکتا ہے۔ لیکن میں تو چاہتا ہوں کہ چاقو مرمت کے بعد پہلے جیسا ہو جائے جبھی تو تمہارے پاس آیا ہوں۔“

یہ سن کر بوڑھے درویش نے تھوڑی دیر تک کچھ سوچا پھر کہنے لگا: ”اچھا۔ میں تمہاری خواہش پوری کیے دیتا ہوں لیکن اپنی آنکھیں بند کر لو۔“

قاضی قطب الدین کاشانی رح بیان کرتے ہیں: میں نے آنکھیں بند کر لیں، لیکن ایک آنکھ کی معمولی سی جھری سے بوڑھے کی طرف دیکھتا رہا کہ کیا کرتا ہے۔ اس نے ٹوٹا ہوا چاقو اٹھایا اور اسے اپنی داڑھی کے قریب لے گیا۔ پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کچھ پڑھا یا کسی کو مخاطب کیا۔ دوسرے لمحے کے بعد وہ مجھ سے کہنے لگا کہ اب آنکھیں کھول دو۔ جب میں نے آنکھیں کھول دیں تو درویش آہن گر نے چاقو میرے سامنے رکھ دیا اور میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ وہ کسی بھٹی میں ڈالے، گرم کیے اور کوٹے بغیر ہی نہ صرف بالکل درست ہو گیا تھا بلکہ بالکل ویسا ہی بن گیا تھا جیسا کہ پہلے تھا۔

درویش آہن گر کی اس کرامت نے مجھے حیران کر دیا۔ ”میں تو ایسے درویشوں پر اعتقاد رکھتا ہوں۔“

❖

انہوں نے سورج کو طلوع ہونے سے روک دیا

امیر حسن علاء سنجری جو خواجہ حسن دہلوی رح کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید باصفا اور خود بھی صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔
ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ صبح کی نماز کا وقت ہے اور وہ نماز کے لیے وضو کر رہے ہیں۔ مگر محسوس یوں ہو رہا ہے کہ اگرچہ وہ جلد جلد وضو میں مصروف ہیں لیکن نماز کا وقت تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

وضو سے فارغ ہو کر انہوں نے ابھی سنتیں ادا کی تھیں کہ پتہ چلا قریب ہی کہیں نماز باجماعت ادا ہو رہی ہے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد امیر حسن سنجری جماعت میں شریک ہونے کی خاطر اس طرف چل دیئے۔ اگرچہ انکی رفتار تیز تھی اور جلد وہاں پہنچ جانا چاہتے تھے۔ لیکن انہیں خواب میں یوں لگ رہا تھا کہ سورج طلوع ہونے والا ہے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ نمازِ فجر کا وقت گزرنے والا ہے۔

اس احساس کے پیشِ نظر کہ اگر سورج نکل آیا تو وہ نماز ادا کرنے سے محروم رہ جائیں گے انہوں نے خواب ہی میں اُفقِ مشرق کی طرف ہاتھ اُٹھایا اور سورج سے مخاطب ہو کر کہا۔
"اے آفتاب! تجھے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی قسم ہے ابھی طلوع نہ ہونا۔"
امیر حسنؒ نے یہ کہا اور حالتِ خواب میں اس بات پر مسرت محسوس کی کہ انہوں نے اپنے مرشد کا نام لے کر سورج کو طلوع ہونے سے روک دیا ہے پھر وہ خود بیدار ہو گئے۔

اُسی روز وہ حضرت نظام المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا یہ عجیب خواب بیان کیا۔ یہ سُن کر حضرت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر آپ نے ایک حکایت بیان کی اور کہا کہ ایک بزرگ محمد نیشاپوری تھے۔ وہ ایک مرتبہ گجرات (کاٹھیاواڑ) کا سفر کر رہے تھے۔ اُن ایام میں اُس علاقے پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ محمد نیشاپوری کے ساتھ دو اور آدمی بھی سفر کر رہے تھے۔ لیکن کسی کے پاس اپنی حفاظت کے لیے کوئی ہتھیار نہ تھا۔

اچانک ایک ہندو کسی سمت سے نکل آیا جس کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ چمک رہی تھی۔ اُسے دیکھ کر دونوں ہمراہی بدحواس ہو گئے مگر محمد نیشاپوری نے ہوش قائم رکھے اور دل سے آواز بلند کی۔ "اے مرشد مدد کیجیے۔"

اِدھر انہوں نے مدد کے لیے اپنے مرشد روحانی کو پکارا اُدھر ہندو کے ہاتھ سے تلوار زمین پر گر گئی۔ اس پر ایک عجیب رُعب طاری ہو گیا اور محمد نیشاپوری سے فریاد کرنے لگا کہ مجھے امان دی جائے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے غیب سے اُس پر تلوار بلند کر دی ہو اور اس کی گردن کٹنے والی ہو۔ کیونکہ وہ بے حد خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔ جب ہندو نے دوسری بار امان طلب کی تو محمد نیشاپوری نے اُس کی تلوار اُٹھا کر اُسے دے دی اور جان بخشی۔ اس کے بعد وہ ہندو چلا گیا۔ اُس طرح محمد نیشاپوری اور اُن کے ساتھیوں کی جان بچ گئی۔ حضرت خواجہؒ کا مطلب اس حکایت سے یہ تھا کہ اگر انسان خطرے اور مصیبت کے وقت حواس قائم رکھے۔ نیز اپنے خالق حقیقی اور مرشد روحانی کو دل سے پکارے تو خدا غیبی طور پر بھی اُس کی مدد کرتا ہے۔

❁

مچھلیاں مُنہ میں موتی لے کر دریا کی سطح پر آگئیں

جناب مالک بن دینارؒ اُن صاحب کرامت اور اہل طریقت بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جنہوں نے اسلام کے دَورِ اوّل میں علم و عرفان کی مجلسیں آراستہ کیں اور اپنے اعمال و اخلاص سے درجہ کمال کو پہنچے۔

وہ حضرت حسن بصریؒ کے ہمعصر اور ہم نشیں بیان کیے جاتے ہیں۔ مگر یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ جوانی میں مالک بن دینار عیش و طرب کے شیدائی تھے اور اکثر نشاط انگیز محفلوں میں مشغول رہتے تھے۔ ایک رات کا ذکر ہے وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ اسی قسم کی ایک محفل میں دادِ عیش دے رہے تھے۔ رقص و موسیقی کے اس جادو نے ان کے دوستوں پر نیند کا خمار طاری کر دیا تھا اور وہ خود بھی ساز بجاتے بجاتے کہیں کھوئے جا رہے تھے کہ اچانک اُس ساز کے سروں سے یہ آواز نکلنے لگی۔

"اے مالک! اے مالک! تجھے کیا ہو گیا کہ توبہ نہیں کرتا"

مالک بن دینار نے اس آواز کو ہاتف غیبی کی آواز سمجھا اور عیش و طرب سے دل برداشتہ ہو کر حسن بصریؒ کی خدمت میں پہنچے۔ ان کے سامنے لہو و لعب سے توبہ کر کے ایک نئی زندگی کا لباس اختیار کر لیا اور یادِ الٰہی میں اس طرح محو ہو گئے کہ دُنیا سے کوئی تعلق نہ رہا۔

یوں تو اُن کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں لیکن ایک واقعہ جس کا ذکر جناب علی ہجویریؒ نے کیا ہے۔ فی الواقع بڑا عجیب اور ایمان افروز ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مالک بن دینا ایک کشتی میں بیٹھے دریا عبور کر رہے تھے کہ کسی مسافر کا ایک قیمتی موتی گم ہو گیا۔ یا شاید دریا میں گر گیا وہ مسافر موتی کھو جانے پر بڑا پریشان تھا۔ اس کشتی کے مسافروں کے لیے چونکہ مالک بن دینار اجنبی تھے۔ لہٰذا عام طور پر یہی سمجھ لیا گیا کہ موتی انہوں نے چرایا ہے۔ پھر وہ لباس سے بھی ایک محتاج اور حقیر آدمی معلوم ہو رہے تھے۔ اس لیے اہلِ کشتی نے ان پر چوری کا الزام لگایا کر مطالبہ کیا کہ وہ موتی واپس کر دیں۔

مالک بن دینار اس صورت حال پر بڑے پریشان ہوئے کہ ان لوگوں کو کیا جواب دیں جو انہیں چور سمجھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے بڑی بے بسی کی حالت میں آسمان کی طرف مُنہ اُٹھایا اور خدا سے فریاد کی کہ اُن کی بے گناہی ثابت کی جائے۔ چنانچہ اُسی لمحے دریا کی سطح پر بے شمار مچھلیاں نمودار ہوئیں اور ہر مچھلی کے مُنہ میں ایک ایک موتی تھا۔ مالک نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی پکڑا اور اُس شخص کے حوالے کیا جس کا موتی گم ہو گیا تھا پھر اس کشتی کے جھوٹے اور الزام تراش مسافروں سے کنارہ کش ہونیکی خاطر وسط دریا ہی میں کشتی سے اُتر گئے اور پانی کی سطح پر چلتے ہوئے جیسے وہ زمین پر چل رہے ہوں۔ دریا کے پار اُتر گئے اہل کشتی نے جب یہ عجیب واقعات دیکھے تو خوف سے کانپنے لگے اور تب کسی نے انہیں بتایا کہ وہ شخص جن پر موتی چرانے کا جھوٹا الزام لگایا گیا اور جن کی بے گناہی کے ثبوت میں دریا کی مچھلیوں کو حکم ملا کہ وہ موتی مُنہ میں لے کر سطحِ آب پر نمودار ہو جائیں۔ دراصل مشہور صوفی اور مردِ طریقت جناب مالک بن دینار تھے جو اہلِ کشتی سے ناراض ہو کر بیچ دریا کشتی سے اُتر گئے تھے۔

مالک بن دینار کہا کرتے تھے۔

"میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ ہر عمل میں اخلاص موجود ہو اور ہر اخلاص عمل پر مبنی ہو۔"

❖

اُن کے خیال ہی تہمت بن جاتے تھے

شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ اپنے دور کے ایک کامل بزرگ تھے ان کا ارشاد ہے۔
"میرے دل میں جو بھی خیال گزرا اس کی تہمت مجھی پر عائد کی گئی۔ حالانکہ وہ فعل مجھ سے سرزد نہیں ہوا۔"

کہتے ہیں ایک مرتبہ کوئی درویش کامل اُن کی خانقاہ میں آیا۔ شیخ ابوسعید نے اسے صاحب کمال پایا اور علم و معرفت میں اسے جو درجہ حاصل تھا اس کا حال بھی جان لیا تو وہ اس صادق و کامل درویش سے بڑے متاثر ہوئے۔

رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ وہ درویش روزے سے تھا جب افطار کا وقت آیا تو شیخ نے اپنی بیٹی کو جو ابھی چھوٹی عمر کی تھی۔ ہدایت کی کہ وہ پانی کا کوزہ درویش کے پاس لے جائے۔ لڑکی نے اس حکم کی تعمیل کی اور بڑے ادب و احترام کے ساتھ پانی کا کوزہ اس کی خدمت میں پیش کیا۔

شیخ ابوسعید کو اپنی بیٹی کا یہ مؤدبانہ انداز بہت ہی پسند آیا اور اس وقت اچانک ان کے دل میں خیال گزرا کہ وہ کونسا خوش قسمت اور نیک بخت آدمی ہو گا جو اس خدمت گزار لڑکی سے شادی کرے گا۔ کیونکہ ایسی اطاعت شعار بیوی مرد کے لیے رحمت ہوتی ہے۔
خانقاہ میں حسن نام کا ایک مؤذن تھا جو ان کا خادم بھی تھا اس خیال کے آتے ہی شیخ نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا:

"تم شہر جاؤ۔ بازار میں پھرو اور معلوم کرو کہ لوگ کیا باتیں کرتے ہیں۔"

حسن مؤذن اسی وقت شہر چلا گیا اور جب لوٹ کر آیا تو بے حد پریشان تھا۔ شیخ ابوسعید نے پوچھا: "تم نے کوئی نئی بات سنی ہے؟"

حسن نے جواب دیا: "ایک ایسی عجیب اور نئی بات سنی ہے کہ زبان کو اس کے بیان کرنے کی طاقت نہیں۔"

شیخ بار بار پوچھتے رہے کہ وہ کیا سن کر آیا ہے مگر حسن مؤذن یہی جواب دیتا رہا کہ زبان کو بیان کرنے کا یارا نہیں۔ آخر انہوں نے حکم دیا کہ جو کچھ سن کر آیا ہے۔ بیان کرے اس پر حسن کہنے لگا: "میں نے بازار میں ایک آدمی کو دوسرے آدمی سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ شیخ ابوسعید کی خواہش یہ ہے کہ وہ اپنی لڑکی سے خود نکاح کر لیں۔"

یہ بات بیان کر کے مؤذن تو شرمسار سا ہو گیا لیکن شیخ ابوسعید مسکرا کر بولے کہ میرے دل میں جو خیال گزر رہا تھا خدا اسی پر میرا مواخذہ کر رہا ہے۔

٭

وہ سات سال تک اُسی جگہ بیٹھا رہا

امیر حسن علامہ سنجری نے نظام المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں ایک گمنام درویش کا عجیب و غریب واقعہ درج کیا ہے جس نے اپنی کرامت سے کرمان کے لوگوں کو محوِ حیرت کر دیا تھا۔

کہتے ہیں کرمان میں ایک قاضی تھا جو ظاہر داری کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ اس مرتبہ اس نے اپنے ہاں ایک بہت بڑی مجلسِ سماع منعقد کی جس میں شہر کے تمام معززین اور بڑے لوگوں کو مدعو کیا گیا۔ اس محفل میں ایک خستہ حال درماندہ درویش بھی بغیر دعوت کے پہنچ گیا چونکہ اسے بلایا نہیں گیا تھا۔ اس لیے وہ خاموشی کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھا رہا۔

جب محفل کا آغاز ہوا اور قوالوں نے سماع شروع کیا تو دوسرے لوگ تو چپ چاپ سُنتے رہے لیکن اس گمنام درویش کے جسم میں حرکت و جنبش ہونے لگی جو بن بلائے وہاں پہنچ گیا تھا۔ اسی اثنا میں وہ رقص درویشی کے لیے کھڑا ہو گیا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ قاضی بہت ظاہر پرست واقع ہوا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ امیر مجلس اور محفل میں موجود کوئی بڑا بزرگ وجد میں نہیں آیا بلکہ ایک گمنام درویش اپنے وجد کا اظہار کرنے والا ہے تو یہ بات اس کی طبیعت پر گراں گزری اور اس نے فوراً بہ آوازِ بلند درویش سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

گمنام درویش اس آواز پر شرمندہ سا ہو کر بیٹھ گیا اور اس کے جذب و وجد کی وہ کیفیت بھی باقی نہ رہی۔ جب سماع گرم ہوا اور کسی پر وجد طاری نہ ہوا تو خود قاضی اُٹھا تاکہ

اپنے وجد کا اظہار کر کے محفل کو اور گرما دے ابھی وہ کھڑا ہی تھا کہ اسی گمنام درویش نے بڑی پُر جلال آواز اور تحکم آمیز لہجے میں کہا:

" قاضی : " بیٹھ جاؤ۔ "

سُننے والوں کے علاوہ قاضی کے دل پر بھی اس آواز کی ہیئت طاری ہو گئی اور وہ اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔

تھوڑی دیر کے بعد سماع ختم ہو گیا۔ لوگ اُٹھ اُٹھ کر جانے لگے حتیٰ کہ محفل ویران ہو گئی۔ لیکن قاضی جہاں بیٹھا تھا۔ وہیں بیٹھا رہا۔ اس نے اُٹھنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کیفیت نے اس کے دل پر اُس درویش کا جلال مسلّط کر دیا جو وہاں سے جا چکا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ قاضی اسی جگہ بیٹھا رہا اور صرف چند روز یا چند ماہ نہیں بلکہ پورے سات سال گزر گئے اور وہ وہاں سے اُٹھ نہ سکا حتیٰ کہ حاجات ضروریہ بھی اسی جگہ ادا ہوتی تھیں۔ سات سال کے بعد وہ گمنام درویش ایک روز اچانک وہاں آ گیا۔ اس نے دیکھا قاضی بہت کمزور ہو چکا۔ وہ آ کر قاضی کے عین سامنے کھڑا ہو گیا اور بولا : " اُٹھو "

قاضی نے درویش کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ اس نے دوبارہ کہا کہ اٹھو لیکن اس بار بھی وہ نہ اُٹھا۔ تیسری مرتبہ درویش نے کہا: "بہت اچھا اب ہمیشہ کے لیے اسی طرح بیٹھے رہو۔"

یہ کہہ کر وہ درویش جدھر سے آیا تھا ادھر چلا گیا۔ جب قاضی کے حواس درست ہوئے تو اس نے لوگوں کو درویش کی تلاش میں دوڑایا لیکن وہ نہ مل سکا اور قاضی اسی حالت میں مر گیا۔

❖

آدمی بھڑکتی آگ میں کود گیا مگر آگ اُسے جلا نہ سکی

خواجہ محمد معصوم جنہیں قیوم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے تیسرے فرزند اور اُن کے دوسرے خلیفہ تھے، وہ ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ کو شہنشاہ اکبر کے عہد حکومت میں سرہند کے مقام پر پیدا ہوئے۔

حضرت مجدد نے ان کی ولادت کو نہ صرف مبارک قرار دیا تھا۔ بلکہ ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ فرمائی تھی کہ سولہ سال کی عمر میں انہوں نے علومِ ظاہری میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ پھر علومِ باطنی کی تحصیل میں مصروف ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ واقف اسرار و احوال ہو کر اپنے وقت کے قطب کہلائے۔

حضرت امام ربّانی اُن کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ وہ ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

کہتے ہیں سفر دہلی کے دوران ایک مرتبہ حضرت مجدّد کے ہمراہ خواجہ معصوم بھی تھے۔ ایک روز حضرت حجرہ سے باہر نکلے تاکہ تھوڑی دیر آرام کر لیں۔ جا کر دیکھا تو ان کی جگہ حضرت معصوم قیوم ثانی محوِ خواب تھے۔ آپ انہیں دیکھ واپس چلے گئے خدام نے کہا "اگر آپ اجازت دیں تو انہیں بیدار کر دیں۔"

حضرت نے فرمایا: "مجھے ڈر لگتا ہے کہ مَیں خدا کے ایک دوست کے آرام میں خلل ڈالوں"

یہ کہہ کر حضرت کافی دیر تک مسجد کے گرم فرش پر دھوپ میں بیٹھے رہے۔ حتیٰ کہ خواجہ معصوم خود بیدار ہوئے اور والد محترم کو دھوپ میں بیٹھے دیکھ کر اُن کے لیے جگہ خالی کر دی کہتے ہیں

اورنگ زیب عالمگیر بھی خواجہ معصومؒ کے معتقد تھے۔ ایک روایت کے مطابق نولاکھ افراد نے ان کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی تھی۔

تذکرہ نویس ایک عجیب واقعہ تحریر کرتے ہیں کہ خواجہ معصوم کے زمانے میں ایک ہندو جوگی اپنے جادو کے زور سے آگ باندھ دیتا تھا اور اس طرح آگ اُس پر اثر نہ کرتی تھی۔ لوگ اس شعبدہ بازی کی وجہ سے جوگی کے پرستار ہو گئے اور اس کے ارد گرد عقیدتمندوں کا ہجوم رہنے لگا۔ وہ جوگی اپنے آپ کو اوتار کہتا تھا۔ جب حضرت خواجہ معصومؒ کو پتہ چلا کہ خلقِ خدا گمراہ ہو رہی ہے تو آپ نے الاؤ دہکانے کا حکم دیا۔ مریدوں نے لکڑیاں جمع کر کے آگ لگادی اور اس کے شعلے بلند ہونے لگے۔ انہوں نے قرآن حکیم کی کوئی آیت پڑھ کر آگ پر دم کر دیا۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ اس بھڑکتی آگ میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرو، وہ شخص بے دھڑک آگ میں داخل ہو گیا اور خاصی دیر تک الاؤ پر بیٹھا رہا۔ یادِ خدا کرتا رہا۔ آگ اُس کے دامن کو بھی نہ چھو سکی۔ اس کرامت کو دیکھ کر لوگوں نے جوگی کا پیچھا چھوڑا اور اس کے جادو سے آگاہ ہوئے۔

☼

بازار جل گیا مگر اُن کی دکان محفوظ رہی

حضرت سری سقطیؒ جو حضرت جنید بغدادیؒ کے ماموں اور علوم و معرفت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ مشہور عراق کی ایک شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ ان کا حلقہ ارادت بہت وسیع تھا۔ شاگرد اور مرید عراق میں دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ حبیب الراعیؒ ایسے بزرگ کی صحبت میں بیٹھے اور ان سے اکثر ملاقات رہی، لیکن وہ تو خود حضرت معروف کرخیؒ کے مرید تھے جن سے انہوں نے سلوک و عرفان کا درس لیا۔

سری سقطیؒ بغداد کے باشندے تھے اور وہاں ایک بازار میں کباڑی کی دکان کیا کرتے تھے وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حبیب الراعی میری دکان کے سامنے سے گزرے۔ میں نے انہیں بلایا اور روٹی کے کچھ ٹکڑے انہیں دیئے کہ وہ فقیروں اور درویشوں میں تقسیم کر دیں۔ میرے اس سلوک پر حضرت حبیب بہت خوش ہوئے کہ میں نے درویشوں کا خیال رکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے دعا دی۔

"خدا تجھے اور زیادہ نیکی کی توفیق دے۔"

سری سقطیؒ کہتے ہیں جس دن سے حبیب راعیؒ نے مجھے یہ دُعا دی اسی دن سے دُنیا کے مال و دولت کی طرف سے میرا جی اچاٹ ہو گیا اور میں اپنی عقبیٰ سنوارنے میں لگ گیا۔ اگرچہ وہ زندگی کی ضروریات کی خاطر دکان بھی کرتے تھے۔ لیکن ان کے خیالات کا مرکز تبدیل ہو چکا تھا اور اب ان کی ساری توجہ علم سلوک و معرفت کی طرف مبذول ہو گئی تھی، چنانچہ ان کا زیادہ

وقت اہلِ سلوک کی محفلوں میں گزرنے لگا اور آہستہ آہستہ انہوں نے اس میدان میں اتنی ترقی کر لی کہ لوگ خود ان کے مرید ہونے لگے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ جب بغداد کے بازار کو آگ لگی جس میں دکانوں کی دکانیں جل کر خاکستر ہو گئیں تھیں تو چند لوگ حضرت سرّی سقطیؒ کی خدمت میں آئے اور کہا:

"یا شیخ! آپ کی دکان جل گئی۔"

لوگوں کا خیال تھا وہ اس نقصان پر افسردہ ہوں گے لیکن انہوں نے بڑے تحمل سے جواب دیا:

"چلو قیدِ دُنیا سے رہائی ملی"

عجیب بات یہ ہے کہ جب لوگ دوبارہ اس بازار میں گئے جو آگ کی لپیٹ میں آگیا تھا تو یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ چاروں طرف دکانیں جلی پڑی تھیں اور ان کا صرف ملبہ ہی باقی رہ گیا تھا لیکن حضرت سری سقطیؒ کی دکان جوں کی توں محفوظ تھی اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا، جن لوگوں نے انہیں جا کر دکان کے جل جانے کی اطلاع دی تھی۔ انہوں نے بازار میں ہر طرف بھڑکتی ہوئی آگ سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ لازمی طور پر ان کی دکان بھی جل جائے گی۔ لیکن صرف وہی دکان معجزانہ طور پر بچ گئی تھی۔

اس واقعہ کے بعد حضرت سری سقطیؒ خود دکانوں پر پہنچے اور اس میں جو مال و اسباب تھا وہ سب کا سب فقیروں اور درویشوں میں تقسیم کر دیا۔

❁

ان کا دل نورِ ایمان سے منوّر تھا

ملتان میں موضع مخدوم رشید میں حضرت مخدوم عبدالرشید حقانی قادری کا مزار عوام و خواص کے لیے مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ یہ گاؤں حضرت صاحب ہی نے بسایا تھا اور آپ نے یہاں ایک کنواں بھی بنوایا تھا۔ جس کے متعلق مشہور ہے کہ جو شخص اس کنویں سے پانی پیتا ہے۔ اس کے تمام امراض دُور ہو جاتے ہیں۔ عُرس مبارک کے موقع پر ہزاروں افراد نہ صرف خود اس پانی سے نہاتے ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی بھر کر لے جاتے ہیں۔

حضرت مخدوم عبدالرشید حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ نے ایک مدت اپنے پیر طریقت حضرت میراں سید علی کی خدمت کی اور علم سلوک کی منازل طے کرتے رہے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد ملتان میں مشرقی جانب آکر رہائش پذیر ہوئے آپ کے وعظ میں اتنا اثر تھا کہ لوگ دُور دراز سے کھنچے چلے آتے اور آپ کے مواعظ و نصائح سے مستفید ہوتے تھے۔ آپ نے رفاہِ عام کے بہت سے کام کیے اور ہمیشہ اپنے مریدین اور معتقدین کو اللہ کی عبادت اور اللہ کے بندوں کی خدمت کی تلقین فرماتے رہے۔

حضرت صاحب ولی کامل اور صحیح معنوں میں صوفی تھے۔ انہوں نے تصوف کے اسرار و رموز کو عام فہم انداز میں بیان کیا۔ ان کے ارشادات آج بھی طالبانِ حق کے لیے شمع ہدایت ہیں۔

حضرت مخدوم صاحب فرماتے ہیں (ترجمہ) صفائے قلب اولیائے اللہ کی صفت ہے

اور وہ لوگ سورج کی مثال ہیں۔ جن پر بادل کا پردہ نہیں پڑا ہے۔ اس لیے کہ صفائیٔ باطن دوستانِ الٰہی کی صفت ہے اور جو شخص اپنی صفت سے فانی اور دوستوں کی صفت سے باقی ہے وہی دولت ہے اور ایسے دوستانِ حق کے حالات، عارفانِ الٰہی کے نزدیک آفتاب کی طرح عیاں ہیں۔ چنانچہ حبیبِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حارثہ کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا:

ترجمہ: "وہ ایک بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان سے منور کر دیا یہاں تک کہ اس کا چہرہ اس نورِ ایمان کی تاثیر سے چاند کی طرح روشن ہے اور وہ خود نورِ ربانی سے متشکل ہے۔"

ایک مقام پر کسی شیخ طریقت کا قول بیان فرماتے ہیں۔

ترجمہ: "سورج و چاند کے نور جب باہم مشترک ہوں۔ المعجون کی طرح باہم ملے جلے تو محبت و توحید الٰہی کی صفائی کا نمونہ ہیں۔ جبکہ دونوں باہم مل جائیں جہاں اللہ جبّار کی محبت اور توحید کا نور ہو وہاں سورج و چاند کے نور کی کیا حقیقت ہے کہ اس کو نور سے نسبت کریں لیکن دنیا میں کوئی نور ان دو نوروں سے جو آنکھوں کا نور ہیں بڑھ کر ظاہر نہیں۔

صوبے دار اُن کے قدموں میں پڑے رہتے تھے

مہابت خاں جسے شہنشاہ جہانگیر کی طرف سے خانخاناں اور خانِ اعظم کے خطابات حاصل تھے بنگال کا صوبے دار تھا۔ ان ایام میں حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ بھی بنگال میں تھے۔ مہابت خاں شاہ صاحب کا بہت معتقد تھا اور اس کی ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ وہ کوئی نذر پیش کرے، لیکن شاہ صاحب اجتناب کرتے تھے۔ آخر ایک روز اس نے عرض کیا۔

"وہ لوگ خوش نصیب ہیں، جن کی نذر آپ قبول فرماتے ہیں، لیکن میری آرزو کبھی پوری نہ ہوئی۔"

حضرت نے فرمایا! "سید اسماعیل مالتی پور کی خانقاہ میں بہت سے درویش رہتے ہیں۔ اگر چاہو تو ان کی معاش مقرر کر دو۔"

مہابت خان نے ایک پرگنہ سید اسمٰعیل کے نام لکھ دیا اور ایک پروانہ علاقے کے جاگیر دار جوگی داس راجپوت کو بھی روانہ کیا تاکہ پرگنہ کی آمدنی سید کی خانقاہ کو ملتی رہے۔ شہنشاہ جہانگیر نے خان خاناں مہابت خاں کو آگرہ طلب کر لیا اور اس کی جگہ اس کے بیٹے خانہ زاد خاں کو بنگال کا صوبے دار مقرر کیا، جب مہابت خاں حضرت شاہ نعمت اللہؒ سے رخصت ہونے آیا تو کہا۔

"حضرت کا غلام خانہ زاد خاں میری جگہ پر صوبے دار مقرر ہوا ہے۔ جب وہ آئے تو اس پر توجہ رکھیے تاکہ وہ سیدھی راہ چلتا رہے اور غلط لوگوں کا شکار نہ ہو جائے۔"

شاہ صاحب نے فرمایا: "اگر خانہ زاد خاں کے ساتھ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا تو بھی میں

اُسے ایک ماہ پہلے مطلع کر دوں گا۔ میری ہدایت پر عمل کرنا یا نہ کرنا اس کا کام ہے۔"

جب خانہ زاد خاں بنگال کا گورنر ہو کر پہنچا تو باپ کی ہدایت کے مطابق حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے ایسی نگاہ فیض ڈالی کہ خانہ زاد خاں کی طبیعت کا رنگ ہی بدل گیا اور تصوّف نے اس پر رنگ جما لیا۔

خانہ زاد خاں حضرت سے اس قدر عقیدت رکھتا تھا کہ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور توجہ کا منتظر رہتا تھا۔ شاہ صاحب بھی اس پر نگاہ رکھتے اور خطرناک واقعات کی اطلاع قبل از وقت دیا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت نے ایک قصیدہ لکھا۔ جس میں ایک شعر یہ بھی تھا۔

من در ہوایت اے گل خزاں چو عندلیب
اے تو بنو بہار تماشائے دیگراں

خانہ زاد خاں نے شعر سُنا تو چونک اُٹھا اور اپنے وقائع نویس سے کہا: "یہ شعر لکھ لو اب بنگال میں ہمارا قیام مشکل معلوم ہوتا ہے۔"

ابھی ایک ماہ نہ گزرا تھا کہ بادشاہ نے اسے آگرے طلب کر لیا اور وہ حضرت شاہ صاحب سے رخصت ہو کر بنگال سے چلا گیا۔

⁂

حجرے میں جواہرات اور سونے کے ڈھیر لگے تھے

ہندوستان کے ظلمت کدے میں جن لوگوں نے اسلام کی شمع روشن کی اُن میں حضرت مخدوم سید شاہ ابن بدر چشتی کرمانی بھی ہیں جو ایک جلیل القدر بزرگ اور بقول حضرت فرید ثانی فرستادہ رسولؐ ہیں۔

حضرت کا اسم گرامی عبداللہ کنیت ابوالفتح عرف ابن اور لقب بدر چشتی تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام علی الرضا تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اسلاف نے چونکہ ساتویں صدی ہجری میں کرمان سے ہندوستان ہجرت فرمائی تھی اس لحاظ سے آپ کو کرمانی کہا جاتا ہے۔

آپ نے جب اسلام کی تبلیغ شروع کی تو لوگ ان کی مسحور کن تبلیغ سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ بیک وقت سینکڑوں لوگ آتے اور آپ کی بیعت سے مشرف ہوتے۔ بیعت کا عالم یہ ہوتا تھا کہ آپ اپنی دستار مبارک کو کھول دیتے اور لوگ ایک سرے سے دوسرے سرے تک دستار کو پکڑ لیتے اور اس طرح لوگ ان کے مرید ہوتے چلے گئے۔

آپ کی بہت سی کرامات اور خوارق مشہور ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ بچپن میں آپ ایک دفعہ وضو فرما رہے تھے۔ وضو کے بعد نہ جانے کس خیال سے مسواک کو زمین میں گاڑ دیا۔ کچھ عرصے بعد وہ مسواک ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر گئی اور آج تک موجود ہے۔ جس کو لوگ حضرت شاہ ابن کی املی کے نام سے پکارتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے آپ کو کشف اور دیگر علوم باطنی کے ذخیرے سے مالا مال کر رکھا تھا

اور آپ کو دوسری جگہ پر ہونے والے واقعات کا فوراً علم ہو جاتا تھا۔ تذکرہ نویسوں کے مطابق ایک دفعہ آپ کا ایک مرید جنگل میں لکڑیاں کاٹنے گیا۔ جہاں اس کو شیر نے گھیر لیا وہ شخص انتہائی پریشان ہوا اور دل میں اپنے مرشد کو یاد کیا۔ دوسری طرف حضرت مخدوم کو بھی جو اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ کشف کے ذریعے اپنے مرید کی حالت زار کا پتہ چل گیا۔ آپ نے اپنا لوٹا اٹھا کر زمین پر زور سے مارا۔ بعد میں جب مرید حاضر خدمت ہوا۔ تو اس نے بتایا کہ جب شیر نے مجھ کو گھیر لیا اور مجھ کو بچنے کی امید نہ رہی تو اچانک ایک شدید ضرب شیر کے منہ کے قریب پڑی اور وہ بلبلا کر بھاگ اٹھا اس طرح اس کی جان بچ گئی۔

آپ نے چار شادیاں کیں ایک گھاٹوڑی میں اور تین امروہہ میں ان کی شادیوں سے سات صاحبزادگان تولد ہوئے جو اپنے وقت کے مشہور اولیاء میں شمار کئے جاتے ہیں۔

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ایک بار ایک ہندو جوگی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سونے کی چند اینٹیں پیش کیں آپ نے حجرے میں رکھنے کا حکم دیا جوگی اینٹیں لے کر حجرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہاں پہلے ہی سونے اور ہیرے جوہرات کے ڈھیر لگے ہیں اور حیران تھا کہ اینٹیں رکھے تو کہاں رکھے جگہ نہیں ہے حضرت کے سامنے واپس آکر بڑا شرمندہ ہوا پھر ایک ناریل پیش کیا اور کہا حضرت اس میں کیمیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کیمیا تو ہمارے پاس بھی ہے اور اسی وقت تانبہ منگوا کر اس میں روٹی کی ٹکیہ ڈال دی۔ سارا تانبہ سونا بن گیا جوگی یہ کرامت دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

☘

جب ایک درہم باقی رہ گیا

امیر حسن علاء سنجری رح حضرت نظام المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رح کے ملفوظات میں حضرت جلال الدین تبریزی رح کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں ۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح نے فرمایا۔ ایک روز حضرت جلال الدین تبریزی رح اپنے گھر کی دہلیز پر رونق افروز تھے کہ دہی بیچنے والا ایک آدمی سر پر دہی کا مٹکا اٹھائے ادھر سے گزرا وہ دہی بیچنے والا مواسی کے علاقے کا رہنے والا تھا جو بدایوں کے قریب ہے حضرت تبریزی رح ان دنوں بدایوں میں تھے۔

مواسی کے علاقے کو کاٹھیر بھی کہتے تھے۔ وہاں ڈاکو، رہزن اور چور بکثرت رہتے تھے اور دہی بیچنے والا بھی اس برادری سے تعلق رکھتا تھا۔ جونہی وہ مکان کے سامنے سے گزرا اور اس کی نظر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے روئے مبارک پر پڑی تو حیران رہ گیا حضرت نے اُسے دیکھا اور ان کی پہلی ہی نظر اس ڈاکو کے دل میں اُتر گئی۔ اس کے قدم رُک گئے اور بے اختیار حضرت کے پاس آگیا۔

اس نے آپ سے چند باتیں کہیں اور اس کا دل نورِ اسلام سے منوّر ہو گیا۔ وہ اُسی وقت حضرت جلال الدین رح کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ حضرت نے اس کا نام علی رکھ دیا۔ قبولِ اسلام کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا۔ لیکن فوراً ہی واپس آ گیا۔ اس کے پاس ایک لاکھ جیتل تھے۔ (خاندانِ غلاماں کے عہد کا سکہ) اُس نے وہ تمام رقم حضرت جلال الدین تبریزی رح کے قدموں

میں ڈھیر کردی۔ حضرت نے کہا کہ رقم وہ اپنے ہی پاس رکھے، البتہ جہاں میں کہوں خرچ کرتا ہے۔
جلال الدین تبریزیؒ بعض درویشوں، فقیروں اور حاجتمندوں کو کچھ نہ کچھ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ جس شخص کے لیے جتنے سکّوں کا حکم کرتے علی اتنے سکے ادا کر دیتا تھا۔ یہ رقم عموماً سَو یا پچاس درہم ہوتی تھی۔ کم از کم رقم پانچ درہم ہوا کرتی تھی۔ علی ان کے حکم کے مطابق رقم صرف کرتا رہا۔ حتیٰ کہ تھوڑے ہی عرصے میں ایک لاکھ کی رقم ختم ہو گئی اور صرف ایک درہم باقی رہ گیا۔ اُسی وقت ایک سائل وہاں آ گیا اور علی یہ سوچ کر پریشان ہونے لگا کہ حضرت تبریزیؒ کا کم از کم عطیہ پانچ درہم کا ہوتا ہے اور میرے پاس اس وقت صرف ایک درہم ہے۔ اگر انہوں نے سائل کو کچھ دینے کے لیے کہا تو میں ان کی فرمائش کیسے پوری کرسکوں گا۔
علی ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ حضرت نے سائل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: "علی! اسے ایک درہم دیدو۔" یہ سُن علی حضرت کی کرامت پر دنگ رہ گیا۔

⁘

جواں مردی کا مطلب کیا ہے؟

حضرت ابوحفص عمر بن سالم نیشاپوریؒ خراسان کے مشہور صوفیا اور مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ انہیں قوم کے بزرگوں میں ایک درجۂ امتیاز حاصل تھا۔ ان کے مریدوں کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔ وہ آہن گر تھے اور سلوک و معرفت کی راہ پر گامزن ہونے کے باوجود دکان پر بیٹھتے اور آہن گری کا کام کرتے تھے۔

تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوحفص نیشاپوری نے مشائخ کی زیارت و ملاقات کے لیے بغداد کا رخ کیا۔ مریدوں کی ایک جماعت بھی ان کے ہمراہ تھی۔ جب بغداد پہنچے تو مرید کو خیال آیا کہ ان کے مرشد تو عربی زبان میں گفتگو نہیں کر سکتے پھر وہ علمائے بغداد سے کیسے بات چیت کر سکیں گے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کسی نہ کسی ترجمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مرید نے کہا:

"یہ بڑی سُبکی کی بات ہے کہ خراسان کے شیخ الشیوخ اہل بغداد سے ہم کلام ہوں تو انہیں کسی ترجمان کی ضرورت پیش آئے۔"

جو لوگ ہمراہ تھے۔ وہ یہ بات سُن کر خاموش ہو گئے۔ حضرت عمر بن سالم بغداد کی مسجد شونیزیہ میں تشریف لے گئے تو بغداد کے تمام مشائخ اور پیران طریقت بھی وہاں جمع تھے۔ جن میں حضرت جنید بغدادیؒ ایسے ولی اللہ بھی شامل تھے۔ وہاں عمر بن نیشاپوری نے کسی ترجمان کے بغیر ہی ایسی فصیح و بلیغ عربی میں گفتگو کی کہ نہ صرف ان کے مرید حیران و ششدر رہ گئے بلکہ علمائے

بغداد بھی ان کی فصاحت و سلاست کے مقابلہ میں خود کو کم تر محسوس کرنے لگے۔
اس محفل میں کسی نے پوچھا۔
"جوانمردی کی تعریف کیا ہے۔"
اس پر حضرت نے فرمایا: "مَیں چاہتا ہوں۔ پہلے آپ بزرگوں میں سے کوئی صاحب اس پر روشنی ڈالیں اور اپنا خیال پیش کریں۔"
حضرت جنید بغدادیؒ کہنے لگے۔
"مَیں سمجھتا ہوں کہ جوانمردی کا اصل مفہوم یہ ہے جو شخص کوئی غیر معمولی کام کرے اس کا ڈھنڈورا نہ پیٹے کہ مَیں نے کیا ہے۔"
مطلب یہ تھا کہ جوانمردی کا مظاہرہ کرنے کے بعد اُس کی تشہیر نہ کرنا اور اپنی ذات کو بڑائی سے بچانا اصل جوانمردی ہے۔
حضرت جنیدؒ کی بات سُن کر حضرت عمر بن سالم بولے۔
"میرے نزدیک جوانمردی کی تعریف یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ البتہ اپنے لیے ان سے انصاف کا مطالبہ نہ کیا جائے۔"
جب علمائے بغداد نے ان کا ارشاد سُنا تو عش عش کر اُٹھے کہ فی الواقع اہلِ عرب کے نزدیک جوانمردی کا وہی مفہوم زیادہ پسندیدہ تھا۔ اس پر حضرت بغدادیؒ بولے۔
"دوستو۔! ابو حفصؒ جوانمردی میں حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد پر سبقت لے گئے ہیں۔"

☆

وہ ذکرِ خدا سے غافل ہوئے اور مر گئے

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات میں خواجہ میر گرامی اور ایک درویش کامل کی حکایت درج ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے پاک بندوں کی زندگی کا اصل مقصد ذکرِ حق میں مشغول رہنا ہے اور جب وہ اس ذکر سے غافل ہوتے ہیں تو گویا ان پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے۔

کہتے ہیں خواجہ میر گرامیؒ اپنے دور کے ایک ایسے ہی صاحبِ حق بزرگ تھے۔ جن کی عبادت کا دور و نزدیک بڑا چرچا تھا۔ ایک درویش کو یہ آرزو ہوئی کہ خواجہ میر گرامیؒ سے ملاقات کرے۔

وہ درویش بھی صاحبِ کرامت تھا اور اس کی کرامت یہ تھی کہ وہ جو خواب دیکھتا سچا ہوتا۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ اسے خواب کی تعبیر بھی اسی خواب کے دوران دکھا دی جاتی اور وہ بھی من و عن صحیح ہوا کرتی تھی۔ یعنی اس درویش کے ذہن پر پیش آمدہ واقعات کی ایک تصویر سی گزر جاتی تھی۔

جب درویش کو خواجہ میر گرامیؒ کی زیارت و ملاقات کا شوق چرایا تو وہ اپنے مقام سے چل پڑا۔ سفر کے دوران اس نے ایک منزل پر قیام کیا اور جب سو گیا تو حالتِ خواب میں یہ سنا کہ خواجہ میر گرامیؒ وفات پا گئے ہیں۔

صبح کے وقت درویش اٹھا تو اسے بے حد ملال تھا کہ افسوس! جس مردِ حق کی زیارت

کے شوق میں جارہا تھا وہ فوت ہو گئے اس یقین کی یہ وجہ تھی کہ اُن کے خواب ہمیشہ صحیح نکلتے تھے اب اُس نے سوچا کہ سفر جاری رکھنا چاہیے اگر خواجہ کی زیارت نصیب میں نہ تھی تو ان کی قبر ہی کی زیارت کر لوں گا چنانچہ وہ پھر آگے چل پڑا تا کہ اپنے سفر کا مقصد پورا کر سکے۔

جب درویش اُس مقام پر پہنچا جہاں میر گرامیؒ رہتے تھے تو اُس نے لوگوں سے پوچھا کہ خواجہ میر گرامیؒ مرحوم کی قبر کہاں ہے؟

لوگوں نے حیرت سے درویش کی طرف دیکھا اور جواب دیا کیا دیوانے ہوئے ہو ــــ خواجہ صاحب بفضل خدا زندہ و سلامت موجود ہیں اور تم اُن کی قبر تلاش کرتے پھرتے ہو؟

یہ سُن کر درویش حیران ہوا کہ اُس کا خواب جھوٹا کس طرح ہو گیا۔ اسی پریشانی میں وہ خواجہ میر گرامیؒ کے ہاں پہنچ گیا اور ملاقات کے دوران اپنے خواب کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگا کہ زندگی میں یہ پہلا خواب ہے جو غلط نکلا۔

حضرت خواجہ نے فرمایا: "تمہارا خواب غلط نہیں بلکہ صحیح تھا کیونکہ جس رات تم نے خواب میں سُنا کہ مَیں فوت ہو گیا ہوں تو ٹھیک اُسی شب میں بھی پہلی مرتبہ عبادت الٰہی سے غافل ہو گیا اور خُدا کے بجائے غیر خدا کے ذکر میں مشغول ہو گیا تھا۔ اسی لیے دُنیا میں یہ صدا لگا دی گئی کہ میر گرامیؒ فوت ہو گیا۔ اُس رات میں روحانی طور پہ واقعی مر گیا تھا۔

❁

حضرت معین الدین چشتیؒ نے پرتھوی راج کو کیا جواب دیا

جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر میں تشریف فرما ہوئے تو ان کی روحانیت اور کرامات کا چرچا پھیل گیا تھا۔

انہی ایام میں شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا اور ترائن کے میدان میں بعض سرداروں کی غلطی سے پرتھوی راج چوہان سے شکست کھائی اور بمشکل اپنی جان بچا کر نکل گیا، اسلامی لشکر کی اس شکست کے بعد رائے پتھورا (پرتھوی راج) جو ہندوستانی راجاؤں کا سردار اور مہابیر بن گیا تھا۔ مسلمانوں سے نفرت کرنے لگا تھا۔ چنانچہ وہ اجمیر میں حضرت معین الدین چشتیؒ کے خالص روحانی مشن کو بھی سیاسی کارروائی خیال کرتا اور حضرت کی تبلیغ اسلام سے برہم تھا۔

اس برہمی کا قصہ یوں ہے کہ خواجہ صاحبؒ کے مسلمان معتقد نے کسی طرح رائے پتھورا کے دربار میں رسائی حاصل کر لی۔ وہ اپنی زبان سے خواجہ صاحب کی روحانیت اور بزرگی کا ذکر کرتا تھا۔ جس سے ناراض ہو کر پرتھوی راج نے اس مسلمان درباری سے اپنا دامن کھینچ لیا۔ اس نے حضرت خواجہ سے کہا کہ اگر آپ میری سفارش کر دیں تو شاید راجہ مجھ پر پھر سے مہربان ہو جائے۔ آپ نے اس کی سفارش ہی نہیں کی بلکہ پرتھوی راج کو کفر اور بت پرستی ترک کر کے قبول اسلام کی دعوت بھی دے دی جس پر وہ سخت مشتعل ہو گیا اور غصہ میں آ کر بولا:

" اس شخص کو کیا حق ہے کہ ہمارے دیس میں آ کر جادو کے شعبدے دکھاتا، غیب کی

باتیں کرتا اور ہندو دھرم کے ماننے والوں کو مسلمان بناتا ہے۔ ہم اسے یہاں سے نکال دیں گے۔"

یہ بات خواجہ صاحب تک بھی پہنچ گئی آپ نے اسی وقت ایک کاغذ پر ذیل کے الفاظ لکھے اور پرتھوی راج کی طرف بھیج دیئے۔

" من ترا زندہ بدست لشکر اسلام سپردم "

یعنی تو مجھے نکالے یا نہ نکالے لیکن میں نے تجھے زندہ پکڑ کر لشکر اسلام کے حوالے کر دیا ہے۔

اسی رات شہاب الدین محمد غوری نے غزنی میں حضرت کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا تجھے ہندوستان کی سلطنت بخشی گئی۔

سلطان شہاب الدین نے تھوڑے ہی عرصے کے بعد ترائن کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے ہندوستان پر دوبارہ حملہ کیا اور اب کے تراوڑی کے میدان میں پرتھوی راج سے آمنا سامنا ہوا جو ایک لشکر جرار لے کر مقابلے پر آیا تھا۔ لیکن غوری نے اس حکمت و ہوشیاری سے جنگ لڑی کہ راجپوتوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دہلی کے راجہ کھانڈے راؤ کے علاوہ اور کئی راجے مارے گئے اور خود پرتھوی راج نے بھاگ کر جان بچائی۔ لیکن ابھی دریائے گنگا سے آگے نہیں بڑھا تھا کہ کسی نے اسے گرفتار کر کے سلطان شہاب الدین کے حضور پیش کیا اور سلطان نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا۔

اس طرح جس پرتھوی راج نے حضرت معین الدین چشتی رح کو اجمیر سے نکالنے کا عزم کیا تھا وہ خود ان کی پیش گوئی کے مطابق دنیا سے نکل گیا۔ سلطان نے دہلی پر قبضہ کر کے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو دہلی کی حکومت سپرد کر کے خود غزنی لوٹ گیا۔

اس فتح کے بعد اجمیر میں حضرت معین الدین چشتی کی دعوتِ اسلام خوب پھیلی اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔

☆

بابا بلھے شاہ پر توحیدِ وجودی کا رنگ غالب تھا

پنجاب کے مشہور صوفی شاعر حضرت بلھے شاہ قادری رحؒ جن کی کافیاں ہر شخص کے دل پر اثر کرتی ہیں. محض شاعر نہیں تھے بلکہ فنافی الشیخ اور فنافی الذات درویش تھے اور ان کی شاعری ایک ایسے فلسفہ کی ترجمانی کرتی ہے جو اسلام میں ایک مخصوص مکتب خیال کی حیثیت رکھتا ہے. حضرت بلھے شاہ نظریہ "وحدت الوجود" کے قائل اور ترجمان تھے۔

حضرت بلھے شاہ آج سے تقریباً دو سو سال پہلے قصور کے ایک گاؤں پانڈو کے ایک سید گھرانے میں پیدا ہوئے. جب ہوش سنبھالا تو اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت کا آخری دور تھا۔ اس ماحول میں انہوں نے اپنے قلبی واردات کو کافیوں کی شکل میں پیش کیا. آپ کا کلام چونکہ تاثیر سے لبریز اور حقیقت کے رموز و نکات کا حامل تھا اس لیے ان کی زندگی ہی میں اسے قبول عام کا درجہ حاصل ہو گیا. حضرت بلھے شاہ جب دنیوی تعلیم مکمل کر چکے تو انہیں کسی مرد کامل کے وسیلہ سے روحانی ترقی کے مدارج طے کرنے کا خیال پیدا ہوا اور وہ اپنے گاؤں سے لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں ان دنوں شاہ عنایت قادری رحؒ کے علم و فضل اور عرفان و ولایت کا شہرہ تھا۔ بلھے شاہ صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت وہ اپنے کام میں مصروف تھے۔ اسی حالت میں انہوں نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو شاہ عنایت رحؒ بولے۔

بلھیا رب دا کیہہ پاؤنا

ایدھروں پٹنا تے اُدھر لاؤنا

اس قول نے نوجوان بلھے شاہ کے دل پر اتنا اثر کیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر انہیں کے ہو رہے اور سوائے اس مختصر عرصے کے جب آپ کسی بات پر مرشد ان سے ناراض ہو گئے تھے وہ تا زیست ان کے ساتھ رہے اور فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل کیا۔ ۷۸ برس کی عمر میں اس دُنیا سے انتقال کر گئے۔ جب فنا فی الذات ہو چکے تھے۔ حضرت بلھے شاہؒ پر توحیدِ وجودی کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ دنیا کی ہر اچیز میں محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آتا تھا۔

❁

امیر خسروؒ نے مرشد کی جوتی ۵ لاکھ روپے میں خرید لی

حضرت امیر خسرو اُردو، ہندی، فارسی اور ترکی زبان کے بے مثل شاعر ہی نہیں تھے بلکہ انہیں فنِ موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا اور انہوں نے موسیقی میں نائک کا سب سے اعلیٰ اعزاز حاصل کیا تھا جو تان سین بھی حاصل نہ کر سکا۔

وہ اُردو شاعری کے باوا آدم سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی پہیلیاں، دو سخنے، دوہے انمل اور مثنویاں مشہور ہیں عام لوگ انہیں ایک شاعر اور موسیقار کی حیثیت ہی سے جانتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے صوفی، صاحبِ طریقت اور محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے محبوب اور خلیفہ تھے۔ امیر خسرو چالیس سال تک صائم الدہر رہے، جس سے ان کے اندر بلا کا روحانی سوز و گداز پیدا ہو گیا تھا۔ انہیں اپنے مرشد روحانی حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے محبت ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔ چنانچہ ذیل میں ان کے عشق کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی درویش نے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت حاضر ہو کر کوئی سوال کیا۔ اتفاق سے اس وقت حضرت کے لنگر خانہ میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اس درویش کو پیش کی جاتی خواجہ صاحب نے درویش سے کہا:

”آج یہاں کوئی چیز نہیں، لیکن اگر تم کل آسکو تو جو چیز آئے گی تمہیں دے دی جائے گی۔“ اتفاق کی بات ہے دوسرے روز بھی کوئی چیز نہ آسکی، لیکن حضرت نے چونکہ درویش

سے وعدہ کر لیا تھا۔ اس لیے اپنے پاؤں سے جوتی اتار کر اسے دے دی۔

جب درویش حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی جوتی لے کر جا رہا تھا تو راستے میں امیر خسرو سے مڈبھیڑ ہو گئی، جو بادشاہ (سلطان جلال الدین خلجی) کے چلے جاتے تھے۔ درویش کو دیکھ کر امیر خسرو نے پوچھا: "تم میرے مرشد کی خانقاہ سے آ رہے ہو ان کا کیا حال ہے؟" درویش نے خواجہ صاحب کا حال بتایا اس گفتگو کے دوران امیر خسرو بے ساختہ بول اٹھے۔

"مجھے تم سے اپنے مرشد کی بو آ رہی ہے۔ ضرور ان کی کوئی نشانی تمہارے پاس ہے۔"

یہ سن کر درویش نے خواجہ کی جوتی کا واقعہ سنایا جو اسے دے دی گئی تھی امیر خسرو نے حضرت کی جوتی دیکھی تو بے تاب ہو گئے اور درویش سے پوچھا "کیا تم یہ جوتی فروخت کرتے ہو۔" درویش فوراً تیار ہو گیا، امیر خسرو کو سلطان نے ایک قصیدے کے صلے میں پانچ لاکھ چاندی کے سکے دیئے تھے۔ آپ نے یہ ساری رقم اس درویش کی نذر کر دی اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی جوتی خرید لی پھر انہوں نے جوتی کے دونوں پاؤں اپنے سر پر رکھے اور اسی حالت میں خواجہ صاحب کے حضور حاضر ہوئے۔

⁂

اژدھے نے ابو حمزہ خراسانیؒ کی جان بچائی

شیخ ابو حمزہ خراسانیؒ جو اپنے وقت میں خراسان کے مشہور بزرگوں اور اہل طریقت میں شمار ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ توکل رکھتے اور اس کے سوا کسی کی مدد کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت علی ہجویریؒ نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں ان کے توکل علی اللہ کے بارے میں ایک عجیب وغریب روایت درج کی ہے، لکھتے ہیں۔

شیخ ابو حمزہ ایک روز محویت کے عالم میں چلے جا رہے تھے کہ راستے میں کنواں آ گیا اور وہ اس میں جا گرے۔ یہ کنواں آبادی سے کافی دور تھا اور لوگ ادھر بہت کم آتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابو حمزہؒ تین روز تک کنوئیں کے اندر پڑے رہے۔ اتفاق سے تین دن کے بعد بعض سیاحوں کا ادھر سے گزر ہوا ان کے دل میں خیال آیا کہ مدد کے لیے انہیں آواز دی جائے لیکن شیخ ابو حمزہ کا مسلک یہ تھا کہ خدا کی ذات کے سوا کسی کو بھی مدد کے لیے پکارا نہ جائے۔ چنانچہ اپنے اس مسلک کے پیش نظر انہوں نے سیاحوں سے مدد طلب کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ادھر جب سیاحوں نے دیکھا کہ عین راستے میں ایک کنواں واقع ہے اور اس میں مسافروں کے گر جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ کنوئیں کے ارگرد کوئی منڈیر بھی نہیں ہے۔ تو انہوں نے انسانی بھلائی کے پیش نظر اس کا منہ ڈھانپنے کا فیصلہ کر لیا۔

ابو حمزہؒ کہتے ہیں جب میں نے ان کی تجویز سنی تو بڑا پریشان ہوا، کیونکہ کنوئیں کو

ڈھانپ دینے کا مطلب یہ تھا کہ مَیں زندگی سے مایوس ہو جاؤں۔ لیکن اس پر بھی گوارا نہ ہوا کہ مَیں ان سے مدد کی درخواست کروں۔ مَیں راضی برضا خاموش رہا اور وہ لوگ کنویں کا منہ ڈھانپ کر وہاں سے چلے گئے۔ ابوحمزہ نے خدا کی مناجات شروع کر دی اور اپنے آپ کو موت کے لیے تیار کرنے لگے۔

بظاہر ان کی زندگی کا رشتہ منقطع ہونے والا تھا۔ لیکن جب رات ہو گئی تو کنویں کے اوپر زبردست پھنکار سُنائی دی۔ اس وقت جب انہوں نے غور سے دیکھا تو کسی نے کنویں کا منہ کھول دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ابوحمزہ کو ایک بہت بڑا اژدھا دکھائی دیا جس نے اپنی دُم کنویں میں لٹکا دی تھی۔ اسے دیکھ کر خیال آیا کہ خدا نے ان کی مدد کے لیے اژدھے کو بھیجا ہے، چنانچہ انہوں نے اژدھے کی دُم بڑی مضبوطی سے پکڑ لی اور اس نے انہیں کنویں سے باہر کھینچ لیا۔ اس وقت ایک غیبی آواز بلند ہوئی۔

"اے حمزہ ..... ! تم کتنے خوش نصیب ہو کہ اللہ نے ایک موذی کو تمہاری نجات کا ذریعہ بنایا ہے۔"

٭

یہ پچاس دینار آپ کی نذر ہیں

حضرت ابوبکر شبلیؒ بڑے روشن ضمیر ولی تھے۔ "روض الریاحین فی حکایات الصالحین" کے مصنّف نے خود انہی کی زبان سے ایک عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں ایک روز میرے دل نے کہا "تو کنجوس ہے"۔

میں نے اس امر سے انکار کیا کہ میں کنجوس نہیں۔ دل سے پھر آواز آئی۔ "نہیں تو کنجوس ہے۔"

ضمیر کی اس خلش کو دور کرنے کی خاطر میں نے اسی وقت مصمّم ارادہ کر لیا کہ اب اگر مجھے اللہ کی طرف سے کچھ ملا تو سب کا سب اس فقیر کو دے دوں گا جو سب سے پہلے نظر آئے گا۔ ابھی یہ نیّت کر ہی رہا تھا کہ اچانک ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے پچاس دینار میری نذر کیے۔ میں انہیں لے کر گھر سے نکل آیا اور فقیروں درویشوں کو تلاش کرنے لگا۔ اتفاق سے جو فقیر سب سے پہلے دکھائی دیا وہ آنکھوں سے اندھا تھا اور ایک حجّام کے سامنے بیٹھا سر منڈوا رہا تھا۔ میں لپکتا جھپکتا آگے بڑھا اور رقم اس کے سامنے رکھ کر بولا۔

"یہ پچاس دینار آپ کی نذر ہیں۔"

فقیر نے میری بات سُنی اور بڑی بے پروائی سے کہا۔

"اچھا یہ ساری رقم اس حجّام کو دے دو۔"

میں نے حیرت اور تعجب کے ساتھ فقیر کی طرف دیکھا اور بتایا: "حضرت یہ پچاس

اشرفیاں ہیں۔"

میری یہ بات سنتے ہی فقیر کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار ہویدا ہوئے اور اس نے سر اُٹھا کر پُر جلال لہجے میں کہا .... "ابو بکر! کیا ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم کنجوس ہو۔"

حضرت شبلی فرماتے ہیں "یہ سنتے ہی مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور میں نے شرمندہ سا ہو کر وہ رقم حجام کی طرف بڑھا دی۔ مگر اس نے بھی لینے سے انکار کر دیا اور کہا: "جس وقت یہ فقیر حجامت بنوانے آیا تھا۔ اسی وقت میرے دل پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوئی تھی اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی اُجرت نہیں لوں گا۔ اس لیے میرے لیے یہ رقم حرام ہے۔"

مجبوراً میں نے دینار اٹھا لیے اور ان سے اس قدر نفرت ہو گئی کہ جاتے ہی انہیں دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔

⁂

مہابت خان نے جہانگیر کیخلاف بغاوت کردی

جب جہانگیر نے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رح کو قید کر دیا تو ملک میں ایک زبردست خلفشار پیدا ہوا اور وہ تمام اُمراء جو آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے اُن اُمرائے سلطنت میں خان خاناں خان اعظم، سید صدر جہاں اسلام خان، مہابت خان، مرتضیٰ خان، تربیت خان، جہاں لودھی، زمان، سکندر خان، حیات خان اور دریا خان شامل تھے۔ جن پر سلطنت کا دار و مدار تھا۔

حضرت مجدد رح کی گرفتاری اور اسیری کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس المناک واقعے نے پوری مغل سلطنت کو ہلا کر رکھ دیا۔ اُمرائے جہانگیر کو تخت سے اتارنے کا فیصلہ کر لیا اور کابل کے گورنر مہابت خان کو اس بغاوت کا سردار مقرر کر دیا۔ چنانچہ امراء کے درمیان مراسلت کے ذریعے جو مشورے طے پائے تھے۔ ان کے مطابق انہوں نے مہابت خان کو صرف خزانہ ہی سے امداد نہیں دی، بلکہ اپنی فوجیں بھی اس کی طرف روانہ کر دیں، چنانچہ بدخشاں، خراسان اور توران کے حکمرانوں سے فوجی مدد حاصل کر کے مہابت خان نے کابل میں جہانگیر کی حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ خطبہ سے جہانگیر کا نام خارج کر دیا گیا اور اس کا سکہ بھی متروک قرار دے دیا۔

مہابت خان نے مغل شہنشاہ کے خلاف صرف اعلان بغاوت ہی نہیں کیا بلکہ باقاعدہ جہانگیر پر فوج کشی کر دی اور وہ کابل سے نکل کر اندرون ملک کی طرف بڑھا۔

جب جہانگیر کو پتہ چلا تو اس نے بھی فوراً تیاری کی اور فوج لے کر کابل کی جانب روانہ ہوگیا۔ تاکہ بغاوت کا خاتمہ کرسکے ادھر وہ دارالسلطنت سے نکلا۔ ادھر دوسرے امراء بھی باغی ہوگئے۔ انہوں نے اپنے اپنے علاقوں کا اقتدار سنبھال لیا اور ان لوگوں کو جو نور جہاں کے معتمد سمجھے جاتے تھے۔ عہدوں سے برطرف کردیا۔ ملک میں چاروں طرف شورشیں بپا ہوگئیں۔

جب جہانگیر اور مہابت خان کے لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو شاہی فوج کے بہت سے افسر اور سپاہی مہابت خان سے مل گئے اور بادشاہ کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ بلکہ نور جہاں کا بھائی آصف جاہ جو فتنے کی جڑ اور شاہی فوج کے ساتھ تھا۔ مہابت خان نے اسے بھی گرفتار کرلیا۔ بادشاہ محصور اور بے دست وپا تھا اور اس کا سرغنہ مورد عتاب۔ جب نورجہاں کو بادشاہ اور آصف جاہ کی گرفتاری کی خبر ملی تو اپنی خاص فوج لے کر ان کی مدد کے لیے میدان میں نکلی لیکن مہابت خاں نے اسے بھی گرفتار کرلیا اور شاہی فوج بیکار کر کے رکھ دی۔

مہابت خاں کا ارادہ تھا کہ جہانگیر، نور جہاں، آصف جاہ اور ان کے شر پسند حامیوں کو پابہ زنجیر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حضور لے جائے اور ان کی گستاخی کی سزا دے کہ عین اس وقت حضرت کا ایک مکتوب مہابت خان کو محصول ہوا جس میں لکھا گیا تھا کہ مجھے سلطنت کی ہوس نہیں اور نہ میں فتنہ وبغاوت کو پسند کرتا ہوں۔ یہ طریقہ میرے کام میں رکاوٹ کا باعث ہے۔ تم بغاوت سے باز آؤ اور بادشاہ کی اطاعت کرو میں بھی انشاء اللہ جلد قید سے رہائی پاؤں گا۔

حضرت نے اس قسم کے مکتوب ان تمام امرائے سلطنت کو لکھے تھے۔ جنہوں نے مہابت خاں کی سرکردگی میں جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تھی۔ جب مہابت خاں کو حضرت کا خط موصول ہوا۔ تو اس نے گرفتار بادشاہ کو دکھایا اور اسے آزاد کر کے امام ربانی کے حکم کے مطابق اس کے سامنے اپنا سر اطاعت خم کردیا۔

اس واقعے نے جہانگیر کی آنکھیں کھول دیں اور اسے پتہ چل گیا کہ حضرت مجددؒ ظاہری حکومت کے قائل نہیں وہ تو حکمرانوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے کیے پر سخت نادم ہوا اور حضرت کو رہا کر کے نہ صرف معافی کا طلب گار ہوا بلکہ ان کا حلقہ بگوش ہوگیا۔

انہوں نے دولتِ آصفیہ کو خوشحالی کی دُعا دی

حضرت نظام الدین اورنگ آبادی نے دکن میں روحانیت کی جو شمع روشن کی تھی۔ اس نے بے شمار بندگانِ خدا کے دل نورِ ایمان سے منور کر دیے اور سارے دکن میں آپ کے فیضِ روحانی کا چرچا عام ہو گیا۔

حضرت نظام الدین بہت ہی سادہ زندگی بسر کرتے اور سادہ غذا کھاتے تھے۔ لیکن وہ بڑے مہمان نواز تھے۔ ان کا لنگر خانہ خاص و عام کے لیے کھلا رہتا تھا۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ پاس ہوتا تھا۔ وہ سب غرباً و مساکین اور فقیروں میں بانٹ دیتے تھے۔ حضرت کی دُعا سے جب قمر الدین علی خان نے دکن کو فتح کر لیا اور نظام الملک آصف جاہ کا لقب اختیار کیا تو وہ حضرت کا بہت زیادہ عقیدت مند ہو گیا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد نظام الملک حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بہت سا روپیہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ کی رہائش کے لیے ایک محل تعمیر کرنا چاہتا ہوں۔ صرف آپ کی اجازت چاہیئے۔

آپ نے پوچھا "تم وہ محل کتنے عرصے میں تعمیر کرا لو گے؟"

"دو سال ضرور لگ جائیں گے" نظام الملک نے جواب دیا۔

"اور اس پر روپیہ کتنا صرف آئے گا؟"

"اس کا شمار نہیں۔"

یہ سُن کر حضرت نے فرمایا "جتنا روپیہ تم اس محل پر خرچ کرو گے۔ وہ سب کا سب اس

چبوترے پر ڈھیر کردو ہم خود محل بنائیں گے۔"

ان کے حکم کے مطابق نظام الملک روپیہ بیل گاڑیوں میں لاد کر لایا اور ان کے چبوترے پر ڈھیر کر دیا۔ حضرت نے گرد و نواح میں منادی کرا دی۔ غربا، مساکین اور حاجت مند جمع ہونے لگے اور آپ وہ روپیہ اُن میں تقسیم کرتے رہے۔ حتیٰ کہ سارا روپیہ نظام الملک کی موجودگی میں بانٹ دیا گیا۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہو چکے تو انہوں نے نظام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تم دو سال کے عرصہ میں صرف ایک محل تعمیر کرنا چاہتے تھے اور ہم نے ۲ دو دن میں کئی محل بنا لیے ہیں۔"

نظام الملک اس واقعے سے بے حد متاثر ہوا اور آپ کا پہلے سے بھی زیادہ گرویدہ ہو گیا۔ چنانچہ جب وہ دوسری مرتبہ حضرت کی زیارت کرنے آیا تو اس نے تیرہ گاؤں کی ایک جاگیر بطور نذر پیش کی۔ یہ جاگیر نسل در نسل ان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی۔

کہتے ہیں دکن کی دولت آصفیہ کو حضرت نظام الدین نے خوشحالی کی دُعا دی تھی۔ چنانچہ یہ اسی دُعا کا فیض تھا کہ دکن میں ہمیشہ مال و دولت کی فراوانی رہی اور حکومت کے خزانے بھرے رہے۔

٭

حضرت میاں میرؒ نے داراشکوہ کو بچا لیا

حضرت میاں میرؒ لاہوری ۹۵۷ ہجری میں سندھ کے مقام سہوان میں پیدا ہوئے شاہجہانی عہد کے سب سے بڑے بزرگ اور باا ثر ولی اللہ تھے۔ ہندوستان میں ان کے ہی دم قدم سے سلسلہ قادریہ کو فروغ حاصل ہوا۔

نہ صرف شہنشاہ ہند شاہجہان حضرت کا معتقد تھا اور اکثر ان کے حضور میں حاضری دیا کرتا تھا بلکہ ان کا بیٹا داراشکوہ تو حضرت میاں میرؒ کا مرید بھی تھا اور اس بات پر فخر کیا کرتا تھا کہ وہ آپ کی محفل میں بیٹھتا ہے۔ داراشکوہ نے اولیائے کرام اور بزرگان دین کے حالات پر مشتمل ایک کتاب "سکینۃ الاولیاءؒ" بھی تصنیف کی ہے۔ جس میں اس نے حضرت کی کئی کرامات درج کی ہیں۔

داراشکوہ اپنے بارے میں بھی حضرت کی ایک کرامت کا ذکر کرتا اور لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ میں بہت بیمار ہو گیا۔ شروع شروع میں تو بیماری پر خاص توجہ نہ دی گئی اور حکیم معمولی ادویات سے علاج کرتے رہے، لیکن جب مرض بگڑنے لگا تو سب کو فکر دامن گیر ہوئی۔ بڑے بڑے شاہی طبیب اور حکیم میرے علاج پر مقرر ہوئے اور اعلیٰ سے اعلیٰ دوائیں تیار ہونے لگیں لیکن مرض تھا کہ کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی چلا گیا۔ حتیٰ کہ میری زندگی کے لالے پڑ گئے اور بادشاہ کو سخت تردد ہوا اس وقت میری عمر بیس برس کی تھی۔ آخر جب محل میں میری بیماری نے طول کھینچا۔ حکماء و اطبا علاج سے عاجز آ گئے اور ہر جگہ تشویش کا اظہار ہونے لگا تو بادشاہ نے

مجھے اپنے ساتھ لیا اور مرشدِ روحانی حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

بادشاہ نے تمام صورتِ حال بیان کی اور کہا۔ "حضرت یہ میرا بیٹا ہے۔ طبیبوں نے اس کے علاج سے ہاتھ کھینچ لیا ہے کیونکہ انہیں مرض کے آثار اچھے معلوم نہیں ہوتے اور میں سخت پریشان ہوں مجبوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ ہی توجہ فرمائیں اور شہزادے کی زندگی بچا لیں۔"

دارا شکوہ بیان کرتا ہے حضرت میاں میرؒ نے میری طرف دیکھا پھر ایک پیالے میں پانی لیا اور اس پر دم کرنے کے بعد مجھے دیا کہ پی لو۔ میں نے وہ پانی پی لیا۔ اس کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا۔ جیسے میرے اندر زندگی کی ایک لہر سی سرسرانے لگی ہے۔ بادشاہ حضرت کی اجازت پر مجھے واپس محل میں لے آئے اور میں روز بروز صحت یاب ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ ساتویں روز میں بالکل تندرست ہو گیا وہ مرض جس کا علاج شاہی طبیب اور حکیم بھی نہ کر سکتے تھے۔ حضرت میاں میرؒ کے دم کیے ہوئے پانی سے جاتا رہا۔ دارا شکوہ کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ان پر بادشاہ کا اعتقاد اور بھی پختہ ہو گیا اور وہ حضرت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔

☘

اوچ کا حاکم دیوانہ ہو کر بھاگ نکلا

حضرت مخدوم جہانیاںؒ ایک بار اوچ شریف کی مسجد میں چند درویش علماء کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھے اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ذکرِ الٰہی میں اس طرح محو ہوئے کہ ان کے ساتھی بھی فنافی التوحید ہو کر رہ گئے ہر وقت اللہ ہی کا ذکر ہوتا تھا۔

انھی ایام میں حاکم اوچ حضرت مخدوم جہانیاں کی زیارت کرنے آیا، مگر مسجد میں درویشوں کا ہجوم تھا۔ یہ بات حاکم کے دل پر گراں گزری اور اس نے درویشوں کو بُرا بھلا کہہ کر مسجد سے باہر نکال دیا اور خود حضرت کی ملاقات کے لیے آگے بڑھا لیکن حضرت سب کچھ دیکھ چکے تھے کہ حاکم نے کس طرح درویشوں کو جھاڑ کر مسجد سے نکالا اور اپنی حاکمانہ رعونت کا مظاہرہ کیا ہے۔ حضرت مخدومؒ نے حاکم سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے بدبخت۔ کیا تو پاگل ہو گیا ہے کہ اس طرح رعونت دکھاتا اور درویشوں کو دکھ دیتا ہے۔ کیا تجھے خدا کا خوف نہیں رہا۔"

تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں کہ جب حاکم نے حضرت کی زبان سے یہ الفاظ سُنے تو اس پر سکتہ کی سی حالت طاری ہو گئی۔ وہ چند لمحے گُم سم رہا پھر اس پر سچ مچ دیوانگی طاری ہو گئی۔ اس نے اپنا اعلیٰ لباس چاک کر دیا اور پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگا۔ چنانچہ اسی عالم میں کپڑے پھاڑتا اور لوگوں کو پتھر مارتا ہوا مسجد سے نکل گیا۔

شہر میں شور مچ گیا کہ حاکم دیوانہ ہو گیا ہے جو شخص اس کے قریب جاتا وہ اسے کاٹتے

کو دوڑتا تھا۔ بچارے کی عجیب حالت ہوگئی۔ آخر اس کا باپ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس آیا اور حاکم کی کیفیت بیان کی۔ آپ نے فرمایا "اسے میرے پاس لے آؤ۔"

حاکم کے بوڑھے والد نے کچھ آدمی ساتھ لیے اور بڑی مشکل سے اسے پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ لیا لیکن وہ دیوانہ تو زنجیریں توڑنے پر تلا ہوا تھا۔ حضرت نے حکم دیا کہ اسے غسل دو، نئے کپڑے پہناؤ اور شیخ جمال الدین خنداں روحؒ کے مزار کی زیارت کراؤ۔ جب اس کام فارغ ہو چکو تو حاکم کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت کی اس ہدائت کے مطابق دیوانے حاکم کو نہلا کر نئے کپڑے پہنائے گئے۔ شیخ جمال الدین خنداں رو کے مزار کی زیارت کرائی، جس کے بعد اُسے حضرت مخدوم جہانیاں کے حضور میں پیش کیا گیا۔ جب حاکم اُن کے سامنے آیا تو اُس کی دیوانگی دُور ہو چکی تھی۔

⁂

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ارشادات

حضرت خواجہ معین الدین کی خدمت میں بہت سے اولیائے کرام حاضر تھے اور نماز کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کوئی شخص بارگاہ خداوند کریم میں قربت حاصل نہیں کر سکتا مگر جب کوئی مسلمان نماز پڑھتا ہے تو خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ نماز مسلمانوں کی معراج ہے۔ جیسا کہ رسالت مآب حضور پُر نور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ "الصّلوٰۃ معراج المومنین۔" (نماز مومنین کی معراج ہے)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: "میں نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح کی بیس سال تک اس طرح خدمت کی ہے کہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات بس رات دن دست بستہ خدمت میں رہتا تھا اور کسی بھی حکم کا انتظار کرتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ جب کہیں سفر کو جاتے تو میں آپ کا سارا سامان سر پر اٹھاتا اور ان کے ہمراہ چلا کرتا تھا۔ آپ نے میری اطاعت و فرمانبرداری ملاحظہ فرمائی تو مجھ پر عطاو کرم کے دروازے کھول دیئے۔" مرشد کی خدمت و محنت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جس کسی نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ مرشد کی خدمت و محنت اور محبت ہی سے حاصل کیا ہے۔ مرید کو چاہیے کہ ذرہ برابر مرشد کی منشا سے تجاوز نہ کرے جو وظیفہ کا ارشاد ہو اس پر بہت اچھی طرح سے عمل کرتا رہے مرشد کا ہر ارشاد مرید کی دوستی اور بھلائی کے لیے ہوتا ہے۔

مردان خدا کا ایک گروہ ہے جو رات کو باوضو سوتا ہے حق تعالیٰ ان کے واسطے ایک فرشتہ بھیجتا ہے کہ جب تک وضو کے ساتھ سونے والے سوتے ہیں۔ ان کے حق میں دعائے خیر کرتا رہے۔

"اے اللہ ! اس شخص کے گناہوں کو معاف فرمادے جو وضو کے ساتھ سو رہا ہے۔"

عارف وہ ہے جو تمام علوم کو جانتا ہو اپنی عقل سے لاکھوں معنی بیان کرسکتا ہو۔ ہر سوال کا جواب دے سکے۔ ہر دریائے معرفت میں غوطہ لگا کر انوار الٰہیہ کے موتی حاصل کرتا ہو اور ان موتیوں کو جب اربابِ معرفت کے سامنے لائے اور وہ لوگ ان کو دیکھ کر پسند کریں تو اس وقت یہ جان لو کہ وہ شخص عارف الٰہی ہے۔

عارف ہر وقت ولولۂ عشق الٰہی میں سرشار رہتا ہے اگر کھڑا ہوتا ہے تو معشوقِ حقیقی سامنے ہوتا ہے۔ خیال میں بھی وہی ہوتا ہے اور اگر جاگتا ہے تو اسی دوست کی دھن میں لگا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص عمل کو پڑھنے لگے تو وظائف کو ترک نہ کرے ہر وظیفہ کو وقت مقررہ پر ضرور پورا کرے۔

عارفوں پر ایک حال طاری ہوتا ہے۔ اس وقت وہ قدم بڑھاتے ہیں۔ تو ایک قدم میں حجابِ عظمت سے گزر کر حجابِ کبریائی تک پہنچ جاتے ہیں اور دوسرے قدم میں واپس آجاتے ہیں یہ بیان کرتے ہوئے حضرت غریب نوازؒ کے آنسو جاری ہوگئے اور روتے ہوئے فرمایا "عارفوں کا یہ کمتر درجہ ہے کاملوں کا درجہ اور ہے جو اس سے کہیں زیادہ ہے۔ جسے خدا تعالٰی ہی خوب جانتا ہے نہ معلوم ایک قدم میں وہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں اور دوسرے قدم میں کہاں سے کہاں واپس آتے ہیں۔ اس کو سوائے خدا کوئی نہیں جانتا۔

افسوس یہ ہے کہ ان لوگوں پر جو نماز کے ارکان پورے طور پر ادا نہیں کرتے اور نماز ادا کرنے میں دیر کرتے ہیں۔ جب ایسے نمازیوں کی نماز کو فرشتے اوپر لے جاتے ہیں تو اگرچہ آسمان کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ لیکن فرمان خداوندی ہوتا ہے۔" اس نماز کو مت لاؤ بلکہ واپس لے جاؤ اور نماز پڑھنے والے کے منہ پر مار دو یہ جب فرشتے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہیں تو اس وقت نماز اس نمازی کے لیے بددعا کرتی ہے۔" افسوس خدا تجھے ضائع و برباد کرے۔"

❊

بادشاہ شیخ کو دیکھ کر کانپ اُٹھا

بخارا میں لوگوں نے ہنگامہ کر کے تارانی بادشاہ کو قتل کر دیا وہ شیخ سیف الدین باخرزی رح
سے بڑی محبت اور عقیدت رکھتا تھا۔ یہ بارھویں صدی عیسوی کا واقعہ ہے۔ شیخ سیف الدین
بخارا کے بہت بڑے صوفی اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔

تارانی کے قتل کے بعد جو نیا بادشاہ تخت نشین ہوا۔ اُس کے دربار میں ایک چغلی خور
نجومی نے بڑی اہمیت حاصل کر لی اور بادشاہ کا مقرب بھی بن گیا۔ وہ نجومی دراصل شیخ
سیف الدین باخرزی رح کا دل سے دشمن تھا اور کسی نہ کسی بہانے انہیں تکلیف دینا چاہتا تھا
چنانچہ اُس نے بادشاہ سے مل کر کہا کہ حضور! اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ مطیع رہیں اور آپ
کے خلاف اُس قسم کا ہنگامہ نہ ہو جس قسم کا تارانی بادشاہ کے خلاف ہوا تھا تو پھر شیخ سیف الدین
کو کسی نہ کسی طرح یہاں سے نکال باہر کیجیے۔ کیونکہ یہاں جو تبدیلی آتی ہے وہ شیخ کی وجہ سے آتی ہے۔
نجومی نے بادشاہ کو یہ یقین بھی دلایا کہ اُس نے علم نجوم کے ذریعے اس امر کی تصدیق کر لی
ہے کہ شیخ سیف الدین کا ستارہ آپ کے حق میں بڑا منحوس ثابت ہونے والا ہے۔

یہ بات سُن کر بادشاہ بڑا پریشان ہوا اور اُس نے شیخ موصوف کو بخارا سے نکال دینے
کا عزم کر لیا مگر شیخ سیف الدین ایک بزرگ آدمی تھے ان کے خلاف کوئی کارروائی کرتے ہوئے
بادشاہ ڈرتا بھی تھا اُس نے نجومی کو اختیار دیا کہ وہی شیخ کو اُن کے پاس لے کر آئے۔
نجومی شاہی حکم کے مطابق روانہ ہوا اور شیخ کے پاس پہنچ کر بولا :۔ آپ کو بادشاہ نے

طلب کیا ہے چلیے۔

شیخ سیف الدین شاہی حکم نامہ کے مطابق نجومی کے ساتھ ہو لیے۔ مگر بدبخت نجومی نے اپنے بغض کے اظہار کی خاطر اُن کی گردن میں عمامہ ڈال دیا اور عمامے کو پکڑے ہوئے انہیں لے کر بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح بادشاہ کی نظروں میں اُن کی قدرو منزلت گر جائے گی اور وہ ان کے بارے میں جو رائے دے گا بادشاہ اُسے قبول کر لے گا۔ لیکن جب بادشاہ نے شیخ سیف الدین کو اس تحقیر آمیز انداز میں پیش ہوتے دیکھا تو لرز کر رہ گیا۔ کیونکہ اُسے تو کچھ اور ہی نظارہ دکھائی دیا۔ بادشاہ کو شیخ کے ہمراہ ایک فرشتہ بھی نظر آیا جو نجومی اور خود بادشاہ کے خلاف برافروختہ تھا یہ منظر دیکھ کر بادشاہ تخت سے اترا اور لپک کر شیخ کی طرف بڑھا اس نے شیخ سے معافی طلب کی اور بتایا کہ میں نے آپ کو اس طرح پیش کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیا تھا۔ یہ ساری شرارت اس نجومی کی ہے۔

شیخ سیف الدین کی شخصیت اور بزرگی نے بادشاہ کو بے حد متاثر کیا۔ اس نے انہیں خلعت فاخرہ پیش کی۔ ایک گھوڑا سواری کے لیے دیا اور بعد عزت و احترام واپس کر دیا۔

دوسرے روز بادشاہ نے اس نجومی کو گرفتار کر کے پیادوں کی حراست میں شیخ سیف الدین کی خدمت میں بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ آپ اس بدبخت کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں حتیٰ کہ اگر آپ اسے قتل کرانا چاہیں تو بھی آپ کو اختیار ہے۔ مگر شیخ نے نجومی کو سپاہیوں کی حراست سے چھڑا کر معاف کیا اور اسے وہی کپڑے پہنا کر رخصت کر دیا۔ جو بادشاہ نے انہیں دیئے تھے۔ اس سلوک نے نجومی کو شیخ سیف الدین کا بندۂ بے دام بنا دیا۔

☘

پریاں اور جنّ اُن کا حکم مانتے تھے

جن دنوں شیخ سیف الدین باخرزی رح بخارا میں تھے۔ ان دنوں بخارا کے ایک بچے کو جنوں اور پریوں کا ایک گروہ بہت تنگ کیا کرتا تھا۔ ہر روز شام کے وقت بچہ جہاں بھی ہوتا وہ اُسے اُٹھا کر اس درخت پر بٹھا دیا کرتے تھے جو مکان کے صحن میں واقع تھا اور خود چلے جاتے تھے۔

ننھا لڑکا آپ سے آپ درخت پر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ لہٰذا اس کے ماں باپ بہت پریشان ہوئے یہ خطرہ بھی تھا کہ بچّہ کہیں درخت سے گر کر زخمی نہ ہو جائے۔ انہوں نے حفاظت کے خیال سے بچّے کو ایک کمرے میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا تاکہ وہ باہر نہ نکل سکے۔ لیکن جوں ہی شام کا وقت ہوا لڑکا پھر پہلے کی طرح درخت پر موجود تھا اور کمرے کو تالا ابھی لگا ہوا تھا۔

اس صورتِ حال نے لڑکے کے والدین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ جب دو تین مرتبہ یہی واقعہ دہرایا گیا اور لڑکا کمرے میں بند کرنے اور دروازے کو تالا لگانے کے باوجود شام کے وقت انتہائی پراسرار طریقے سے درخت پر پہنچ جاتا تو ماں باپ کو اس کی زندگی کی فکر لاحق ہو گئی۔ چنانچہ وہ شیخ سیف الدین باخرزی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعات گوش گزار کئے۔ جب انہوں نے لڑکے سے دریافت کیا کہ اس کے پاس کون آتا اور اسے درخت پر لے جاتا ہے تو اس نے بتایا۔

"چند خوبصورت پریاں اور کچھ جن میرے پاس آتے اور مجھے اٹھا کر درخت پر لے جاتے ہیں۔"

شیخ صاحب نے پوچھا:

"وہ تم سے کس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔"

لڑکے نے بتایا وہ میرا دل بہلاتے اور مجھے بہت پیار کرتے ہیں۔ اس انکشاف کے بعد یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ بچے کو ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ لہذا شیخ سیف الدین نے بچے پر کچھ پڑھ کر دم کر دیا اور کہا:

"اب جب وہ پریاں اور جن تمہارے پاس آئیں تو ان سے کہنا کہ شیخ سیف الدین خرزی کا حکم ہے تم یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی میرے پاس نہ آؤ۔"

اس کے بعد والدین بچے کو لے کر گھر چلے گئے اور اس کی حفاظت کرتے رہے۔ شام کے وقت مکان میں بہت عجیب سے آثار نمودار ہوئے اگرچہ بچے کے ماں باپ کچھ نہ دیکھ سکتے تھے لیکن انہوں نے بچے کی آواز سنی وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔

"یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی میرے پاس نہ آؤ۔"

تھوڑی دیر تک کچھ اور باتیں بھی ہوتی رہیں آخر بچے کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے خوش ہو کر کہا... "وہ چلے گئے.... وہ چلے گئے۔"

نوٹ: بعض لوگ بچوں کو جنات اور پریوں کی فرضی کہانیاں سناتے ہیں۔ جن سے بچوں کے ذہنوں پر انجانا خوف مسلط ہو جاتا ہے اور وہ خواب یا خیال میں ان تصویروں کو دیکھنے لگتے ہیں۔ ایسی بے سروپا کہانیوں کے بجائے بچوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور نامور ہستیوں کے بچپن کی سچی کہانیاں سنائی جائیں تو بچے ان سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

❁

دن میں سات سو بار قرآن ختم کرنے والے بزرگ

اسلامی ہند کی تاریخ میں سلطان دہلی التمش کے عہد میں جہاں اور بہت سے اولیاؒ و صوفیا کا ذکر آتا ہے۔ وہاں قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا تذکرہ بھی اہل علم و بصیرت کے لیے تسکین قلب بن جاتا ہے۔

قاضی حمید الدین ناگوریؒ اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور صاحب علم تھے ان کی دو کتابیں "لوائح" اور "طوالع الشموس" مشہور ہیں۔ جب وہ دہلی میں تشریف لائے تو سلطان التمش نے ان کا بہت احترام کیا۔ کیونکہ التمش خود بھی ایک صاحب معرفت انسان تھا اور وہ بزرگان دین کی عزت کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔

قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے حالات میں ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ قاضی صاحب مکہ معظمہ گئے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگے۔ ان کے آگے آگے کوئی اور بزرگ طواف کر رہے تھے۔ قاضی صاحب احتراماً ان کے پیچھے پیچھے چلتے گئے اور جہاں سے وہ قدم اٹھاتے تھے۔ وہاں قاضی صاحب اپنا قدم رکھ دیتے تھے۔ گویا قدم بہ قدم ان کی پیروی کر رہے تھے۔

وہ بزرگ بڑے روشن ضمیر تھے انہیں پتہ چل گیا کہ ایک شخص ان کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے پلٹ کر قاضی حمید الدین کی طرف دیکھا اور پوچھا:

"تم میری پیروی کیوں کر رہے ہو؟"

قاضی صاحب نے جواب دیا کہ اس پیروی اور تقلید میں کوئی برائی تو نہیں اس پر وہ بزرگ کہنے لگے۔

"ظاہر کی پیروی سے کیا حاصل ... مزہ تو جب ہے کہ جو کچھ میں کرتا ہوں تم بھی وہی کرو"

قاضی حمید الدین نے پوچھا۔

"آپ کیا کرتے ہیں؟"

بزرگ نے جواب دیا ... "میں ایک دن میں سات سو بار قرآن ختم کرتا ہوں"

یہ جواب سُن کر قاضی صاحب بہت حیران ہوئے اور انہوں نے دل میں سوچا کہ یہ صاحب قرآن کے معانی کو ذہن میں رکھ کر ان کی ادائیگی کا خیال کر لیتے ہوں گے ورنہ ایک دن میں سات سو بار قرآن ختم کرنا تو ناممکن ہے۔

ابھی قاضی صاحب یہ سوچ ہی رہے تھے کہ بزرگ ان کے خیالات سے آگاہ ہو گئے اور بولے۔

"قرآن کو لفظ بہ لفظ پڑھتا اور ختم کرتا ہوں قوتِ خیال سے معنوی ادائیگی نہیں کرتا۔"

قاضی حمید الدین دم بخود رہ گئے۔ ایک دن میں سات سو بار قرآن ختم کرنا حیرت انگیز بات تھی۔ خواجہ نظام الدین اولیاؒ محبوب الٰہی فرماتے تھے کہ وہ بزرگ صاحب کرامت تھے اور ان کا قرآن ختم کرنا ایک کرامت تھی۔

٭

اور چکّی خود بخود چل رہی تھی

اگر آپ مغلپورہ (لاہور) سے شالامار باغ کا رُخ کریں تو مجاہد آباد (سابق رام گڑھ) کے متصل اور شالامار لنک روڈ کی مغربی سمت آپ "وڈے میاں کا درس" دیکھ سکتے ہیں۔ یہ "درس" بہت مشہور اور مرجع خلائق ہے۔ دراصل اس خانقاہ میں حضرت شیخ محمد اسمٰعیل لاہوری المعروف میاں وڈا درسِ قرآن دیا کرتے تھے اور اس فیضِ روحانی کے ساتھ ان کا لنگر بھی جاری تھا۔ جس سے ہزاروں لوگ فیض اُٹھاتے تھے۔

میاں محمد اسمٰعیل رح کی ایک کرامت کا حال سُنیے۔

حضرت میاں صاحب ایک عارف کامل جناب مخدوم عبدالکریم کے شاگرد تھے اور انہی سے علم و عرفان حاصل کیا کرتے تھے مگر اس زمانہ شاگردی میں بھی اُن سے کئی خارق عادت باتیں ظہور میں آئیں۔

مخدوم صاحب درس و تدریس کے ایام میں میاں صاحب سے خدمت بھی لیا کرتے تھے چنانچہ اُن کے ذمّے یہ خدمت مقرر تھی کہ وہ چکّی پیس کر اپنے استاد کو آٹا مہیا کیا کریں۔ ایک روز جب معمول کے مطابق آٹا نہ پہنچا تو مخدوم صاحب نے ایک شاگرد کو میاں وڈا کے پاس بھیجا تاکہ تاخیر کا سبب معلوم کرے۔

جب شاگرد میاں صاحب کے ہاں پہنچا تو یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا کہ میاں صاحب تو ایک طرف بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت میں محو ہیں اور چکّی قدرت الٰہی سے خود بخود چل رہی ہے۔

شاگرد اُلٹے پاؤں واپس بھاگا اُس نے آکر جناب مخدوم کو اس محیّر العقل واقعے کی اطلاع دی تو مخدوم صاحب خود وہاں تشریف لے گئے۔ پھر جو کچھ سُنا تھا۔ اُسے بچشم خود دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے اور میاں صاحبؒ سے کہنے لگے۔

"آج سے تمہاری چکّی کی خدمت ختم کردی گئی ہے کیونکہ ہم تمہارے ذریعے عالم غیب کو تکلیف نہیں دینا چاہتے"۔

چکی کی کرامت دیکھ کر جناب مخدوم حضرت میاں صاحب کی روحانی عظمت کے قائل ہو گئے اور اُسی وقت اُن کو بلا کر فرمایا کہ استادی اور شاگردی کے رشتہ سے آپ کو جو تکلیف دی جاتی ہے وہ مناسب نہیں۔ آپ کی تعلیم مکمل ہو چکی لہٰذا اب یہاں سے تشریف لے جائیں۔

حضرت میاں صاحب نے اگرچہ یہی خواہش ظاہر کی کہ وہ مخدوم صاحب کے پاس رہنا چاہتے ہیں لیکن انہوں نے میاں صاحب کو رخصت کر دیا۔

☆

حضرت شاہ محمد غوث لاہوریؒ کی ایک کرامت

حضرت شاہ محمد غوث قادریؒ جن کا مزار لاہور میں دہلی اور اکبری دروازہ کے درمیان سڑک کے کنارے واقع ہے۔ قادری سلسلہ کے بہت بڑے عالم اور ولی گزرے ہیں۔

ان کا سلسلۂ نسب پیرانِ پیر غوث الاعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا ہے حضرت کے جدِ امجد سید عبداللہ جیلان سے برِصغیر میں آئے اور پشاور میں مقیم ہوئے تھے۔
تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ محمد غوث کے مریدوں میں بھی ایک مرد صالح کا نام محمد غوث تھا جو بہت خدا رسیدہ بزرگ تھا۔ جن دنوں نادر شاہ درانی ہندوستان پر حملہ کرنے کی خاطر پشاور میں آیا تو محمد غوثؒ کی روحانی شخصیت سے متاثر ہو کر معتقد ہو گیا کسی نے بتایا کہ ان سے بڑے ولی اور غوث تو حضرت شاہ محمد غوث قادریؒ لاہور میں رہتے ہیں اور یہ بھی انہی کے مرید ہیں۔
یہ سن کر نادر شاہ کے دل میں حضرت سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور انہیں پشاور بلا بھیجا۔ حضرت غوث نے جواب دیا کہ میرے آقا و مرشد بادشاہوں کی ملاقات سے اجتناب کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کے پاس آنا ہمارے طریقہ کے خلاف ہے جب نادر شاہ کو یہ جواب موصول ہوا تو سخت مشتعل ہو گیا اور کہا "بہت اچھا اب لاہور جا کر ہی شاہ محمد غوث کی خبر لوں گا۔"
نادر شاہ نے دہلی کی طرف کوچ کیا اور سفر طے کرتا ہوا جب دریائے اٹک پر پہنچا تو طغیانی

کے باعث دریا کو عبور کرنا مشکل بلکہ ناممکن نظر آنے لگا۔ کئی روز تک لشکر پڑا اوڈالے پڑا رہا۔ لیکن پانی اُترنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اس غیر معمولی تاخیر کی وجہ سے نادر شاہ سخت پریشان تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ یہ رکاوٹ کہیں حضرت شاہ محمد غوث لاہوری سے برہمی کے نتیجے میں تو نہیں چنانچہ وہ اپنے دل میں شرمندہ ہوا کہ خوامخواہ ایک بزرگ کے بارے میں نازیبا بات کہی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت کے مرید محمد غوث پشاوری بھی لشکر کے ہمراہ تھے اور جب نادر شاہ کو دریا میں طغیانی کی وجہ سے اٹک پر رُکنا پڑا تو محمد غوث نے اسے توجہ دلائی تھی کہ تمہارے ذہن میں حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کے بارے میں جو غلط خیال تھا یہ اسی کا نتیجہ ہے اگر ان کی مخالفت کا خیال اپنے ذہن سے نکال دو تو بیڑہ پار ہو سکتا ہے اس پر نادر شاہ درانی نے اظہارِ ندامت کیا اور حضرت کی مخالفت کا ارادہ ترک کر دیا۔

کہتے ہیں نادر شاہ کی سوچ کے ساتھ ہی دریا کی طغیانی میں کمی واقع ہونے لگی۔ حتیٰ کہ پانی اتر گیا اور اس نے لشکر سمیت دریا کو عبور کیا۔ اس واقعہ سے نادر شاہ کے دل پر حضرت شاہ محمد غوث کی ہیبت چھا گئی۔ چنانچہ جب وہ لاہور آیا تو ان کی خدمت میں حاضری دی اور برکت کا طلبگار ہوا۔

❁

حضرت نولکھ ہزاروی ؒ نے ہندو جوگی کا جادو توڑا

ابو الخیر داتا نولکھ ہزاروی ۸۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور شہنشاہ بابر کے عہد میں بہاولپور کے علاقہ اوچ شریف سے ساندل بار میں تبلیغ اسلام کی غرض سے آئے تھے۔ چنانچہ یہیں ان کی وفات ہوئی اور شاہکوٹ کے ضلع میں آپ کا مزار قلعہ ستار شاہ کی پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔

" نولکھ ہزاروی ؒ " کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک حکایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ مرشد نے انہیں قرآن مجید کی کوئی آیت بتائی کہ چلہ کشی کے دوران اس کا ورد کریں مگر سوئے اتفاق سے شاہ مراد ابو الخیر ؒ (یہی ان کا نام تھا) وہ آیت بھول گئے اور کوشش کے باوجود اسے یاد نہ کر سکے۔ مرشد سے دوبارہ سوال کرنا سوئے ادب سمجھا اور آپ سہو و نسیان کی پاداش میں ایک جھیل کے پانی میں آ کر کھڑے ہو گئے اور نولکھ ہزار مرتبہ قرآن مجید پڑھنے کے بعد وہاں سے نکلے اور پھر مرشد کے پاس آئے۔

مرشد نے ان کی کیفیت پوچھی تو آپ نے حقیقتِ حال بیان کر دی جس پر مرشد نے انہیں از راہِ عنایت وہ آیت دوبارہ بتائی اور آپ چلہ کشی میں مصروف ہوئے۔

حضرت مراد شاہ ابو الخیر ؒ ایک صاحبِ کرامت بزرگ تھے ساندل بار کے علاقہ میں ان کی سعی و کوشش سے بہت لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان کی بزرگی اور علم و حکمت کا شہرہ دُور دُور تک پھیل گیا۔ کہتے ہیں بابر کے زمانے میں قلعہ ستار شاہ میں بادشاہ کے دو خاص آدمی

رہتے تھے جو اس کے بھائی کہلاتے تھے۔ جب ابوالخیر نولکھ ہزاروی یہاں ایک ٹیلے پر آکر فروکش ہوئے اور انہوں نے تبلیغ و ہدایت کا آغاز کیا تو دونوں شہزادے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے لیے کھانے کا بندوبست کرنے لگے۔

اس علاقے میں ان دنوں ایک جادوگر ہندو جوگی کا بڑا چرچا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جوگی کی ہدایت پر ایک شہزادہ سونے کا "سکہ" کنوئیں میں پھینکتا تھا۔ لیکن جادوگری سے وہ "سکہ" وہاں سے بارہ میل دور سانگھڑ میں ہندو جوگی کی جھولی میں جاگرتا تھا نیز اس علاقہ کے لوگ روزانہ دودھ اکٹھا کر کے جوگی کو پہنچایا کرتے تھے اور جو دودھ نہ دیتا تھا۔ اس کی گائے بھینس کے تھنوں سے دودھ کے بجائے خون آنے لگتا تھا۔

بابا نولکھ ہزاروی کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنا ایک آدمی دودھ لینے کے لیے بھیجا وہ جس گھر میں گیا اس گھر کی عورت نے دودھ جوگی کے چیلے کو دینے کے بجائے باباجی کے بھیجے ہوئے آدمی کو دے دیا۔ جس پر جوگی بہت ناراض ہوا اور باباجی کو سبق دینے کے لیے ان کے پاس پہنچ گیا یہ وہی لمحہ تھا جب شہزادہ کنوئیں میں سونے کا "سکہ" پھینکا کرتا تھا۔ وہ "سکہ" اڑتا ہوا آیا اور جوگی کی جھولی میں گرنے کی بجائے باباجی کے دامن میں آگرا جوگی دنگ رہ گیا۔ باباجی کی کرامت نے اُس کا طلسم توڑ دیا تھا اور کوشش کے باوجود وہ اپنا جادو دوبارہ نہ جگا سکا اور حضرت نولکھ ہزاروی کی کرامت کے سامنے پسپا ہو گیا۔

نوٹ : اس حکایت میں نولکھ ہزاروی کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ ایک آیت بھول گئے تھے۔ جس پر انہوں نے جھیل کے پانی میں کھڑے ہو کر نولاکھ ہزار مرتبہ قرآن مجید پڑھا اور اپنے مرشد کے پاس آئے۔ اگر کوئی شخص ایک دن رات (۲۴ گھنٹوں) میں صرف چھ گھنٹے نیند خوراک اور حوائج ضروریہ کے لیے چھوڑ کر ۱۸ گھنٹے میں ایک بار قرآن مجید ختم کرنے کی استطاعت رکھتا ہے تو نولاکھ بار قرآن مجید ختم کرنے کے لیے دو ہزار چار سو اٹھاون برس کی عمر درکار ہے جو ناممکن ہے۔ جب کہ یہاں نولاکھ ہزار مرتبہ قرآن پڑھنے کا ذکر ہے اس سے ظاہر ہے یہ ایک کشفی حالت کا ذکر ہے۔

☆

وہ زندہ چڑیاں نگل جاتے، پھر زندہ ہی پیٹ سے نکالتے تھے

حضرت عزیز کرکیؒ جن کی قبر ہندوستان کے شہر بدایوں میں ہے خاندان غلاماں کے عہد کے مشہور صاحب کرامت بزرگ ہیں جن کا ذکر نظام المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اپنے ملفوظات میں کیا ہے۔

حضرت عزیز کرکیؒ کسی زمانے میں فیروزے اور چوڑیاں بیچا کرتے تھے اور اسی ذریعۂ آمدنی سے گزر بسر کرتے تھے۔ لیکن ان کا دل شروع ہی سے سلوک و طریقت کی طرف مائل تھا اور وہ پہروں یاد الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔ چنانچہ جب کاروبار سے فارغ ہوتے تو مصروفِ ذکر الٰہی ہو جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ رنگ ان پر غالب آتا چلا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ انہیں بجز ذکرِ حق کسی کام سے دلچسپی نہ رہی۔

ان کی بعض خارق عادت باتیں اسی زمانے سے مشہور ہو گئی تھیں۔ جب وہ فیروزے اور چوڑیاں بیچا کرتے تھے مگر جب انہوں نے خود کو دُنیا سے بے تعلق کر لیا اور ہر وقت مشغول بہ ذکرِ حق رہنے لگے تو لوگوں نے ان کی بہت سی کرامتیں بھی دیکھیں ان کی ایک خاص بات جس کا ذکر حضرت نظام الدین اولیاؒ نے بڑی دلچسپی کے ساتھ کیا ہے، چڑیوں سے متعلق ہے۔

کہتے ہیں حضرت عزیز کرکیؒ چڑیاں پکڑ کر انہیں زندہ ہی نگل لیا کرتے تھے۔ بعض اوقات چڑیاں یکے بعد دیگرے ان کے پیٹ میں اُتر جایا کرتی تھیں لیکن دلچسپ اور عجیب بات یہ تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ ان زندہ چڑیوں کو اُگل بھی دیا کرتے تھے۔ وہ مُنہ سے پھونک مارتے۔

اُس پھونک کے ساتھ ہی چڑیا ان کے حلق سے نکل کر باہر آجاتی اور پرواز کرنے لگتی تھی۔ اس طرح وہ یکے بعد دیگرے تمام چڑیاں منہ سے نکالتے اور اُڑا دیا کرتے تھے۔

لوگ ان کے اس مشغلے یا کرامت پر بہت حیران ہوا کرتے تھے کہ چڑیاں ان کے پیٹ میں جانے کے وجود زندہ رہتی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذہن قرآن مجید کے اس واقعے سے بہت متاثر تھا جس میں حضرت ابراہیمؑ کے پرندوں کو ذبح کرنے اور پھر آواز دے کر بلانے کا ذکر ہے۔ وہ پرندے حضرت ابراہیمؑ کے حکم پر زندہ ہو کر اڑتے ہوئے ان کے پاس پہنچ جایا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عزیز کرکیؒ بھی چڑیوں کو نگل کر گویا ان پر ایک "موت" طاری کرتے تھے۔ پھر انہیں زندہ منہ سے نکال کر اڑا دیا کرتے تھے۔

❖

خواب میں آنحضرتؐ نے مرشد ملا دیا

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ۱۲۳۳ھ کو نانوتہ ضلع سہارن پور بھارت میں پیدا ہوئے باپ نے ان کا نام امداد حسن رکھا۔ تاریخی نام ظفر احمد تھا۔ مگر مولانا شاہ اسحاق محدث دہلوی نے "امداد اللہ" کے لقب سے یاد فرمایا اور یہی مشہور ہو گیا۔

آپ نے صغر سنی ہی میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا تھا۔ مگر ۱۲۵۸ھ میں اس شوق کی تکمیل ہو سکی۔ اس وقت آپ مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے۔

تذکرہ نویس بیان کرتے ہیں ایک دن حاجی امداد اللہ مہاجر نے خواب میں دیکھا کہ وہ فخر کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس پاک میں حاضر ہیں اور حضورؐ کا رعب اس قدر غالب ہے کہ قدم آگے نہیں بڑھتا۔ اس اثناء میں ان کے جدِّ امجد حضرت بلاقیؒ آئے اور انہوں نے حاجی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر انہیں خدمت نبویؐ میں پیش کیا۔ آنحضرتؐ نے ان کا ہاتھ ایک اور بزرگ کے ہاتھ میں دے دیا۔ جنہیں میانجیو چشتی کہا جاتا تھا۔ حاجی صاحب جب خواب سے بیدار ہوئے تو بڑے پریشان اور سوچتے تھے کہ نہ جانے یہ کون بزرگ ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا اور مجھے ان کے سپرد کر دیا ہے۔ اس وقت تک حاجی امداد اللہ مہاجر حضرت میانجیو صاحب چشتی قدس سرّہ سے واقف نہ تھے اور نہ ان سے کسی قسم کا تعارف ہوا تھا وہ اسی پریشانی میں تھے کہ ایک روز مولانا قلندر محدث جلال آبادی نے ان کے اضطراب کو بھانپ لیا اور بڑی شفقت و عنایت سے کہنے لگے۔

"تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تمہیں کسی آدمی کے حوالے نہیں کیا۔ حضرت میانجیو صاحب موضع لوہاری میں ایک صاحب کشف بزرگ ہیں۔ تمہاری مراد انہی کے ہاں بر آئے گی۔ لوہاری یہاں سے دُور نہیں ہے۔"

یہ سُن کر حاجی صاحب کو حیرت بھی ہوئی اور دل میں اپنے اس مرشد کو دیکھنے کی طلب بھی پیدا ہوئی چنانچہ پیادہ پا لوہاری کی جانب چل دیئے۔ اس سفر کے دوران اگرچہ ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے لیکن ایک عجیب سی کشش تھی جو انہیں لوہاری کی جانب لیے جاتی تھی حتّٰی کہ وہ آستانۂ مرشد پر پہنچ گئے اور جب دُور ہی سے ایک بزرگ کو وہاں جلوہ فرما دیکھا تو فوراً پہچان لیا کہ یہی وہ صورت ہے جو خواب میں نظر آئی تھی۔ چنانچہ وہ بھاگ کر ان کے قدموں میں گر پڑے۔

حضرت نے انہیں پکڑ کر اُٹھایا اور اپنے سینے سے لگا کر فرمایا: "تمہیں اپنے خواب پر کامل یقین ہے اس لیے فلاح پاؤ گے۔"

ان کی زبان سے خواب کا ذکر سُن کر حاجی صاحب پر ان کی کرامت منکشف ہوئی اور پھر اسی آستانے کے ہو گئے۔

❁

برہمن کی پرارتھنا پھر قبول ہوئی

۱۸۵۷ء میں جب مجاہدین دہلی کو شکست ہو گئی اور انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر لیا تو دہلی اور اس کے مضافات میں بھی لوٹ مار اور پکڑ دھکڑ زوروں پر تھی۔ انگریزی فوج کے سپاہی جس میں سکھ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں جس طرف نکل جاتے مسلمانوں کو ہلاک کر دیتے یا گرفتار کر لیتے تھے بے شمار لوگوں کو درختوں سے لٹکا کر پھانسی دے دی گئی، غرض ہر طرف قیامتِ صغریٰ بپا تھی اور نفسا نفسی کا عالم طاری تھا۔

ان ایام میں بہت سے لوگ قریبی دیہات اور قریوں میں نکل گئے تھے کہ شاید وہ محفوظ رہ سکیں لیکن مٹکاف کے سوار اُن مصیبت زدہ لوگوں کی تلاش میں بھی گھومتے رہتے تھے۔

کچھ لوگوں نے گرفتاری سے بچنے کے لیے چراغ دہلیؒ کے احاطے میں بھی پناہ لے رکھی تھی جن میں بعض زخمی فوجی بھی تھے۔ انہوں نے انگریز کے خلاف جنگ لڑی تھی۔ ظاہر ہے کہ انگریز ایسے لوگوں کی تلاش میں تھے کیونکہ وہ انہیں کسی حالت میں بھی زندہ چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ چنانچہ مٹکاف کے سواروں نے قریبی دیہات میں خوب لوٹ مچائی اور جو آدمی نظر آیا اُسے ہلاک یا گرفتار کر لیا۔

یہ خطرہ ہر وقت محسوس کیا جاتا تھا کہ وہ لوگ چراغ دہلیؒ کی بستی میں آئیں گے اور پناہ گزینوں کے ساتھ یہاں کے مکینوں کو بھی ظلم و ستم کا نشانہ بنائیں گے۔ اس خطرے کے پیشِ نظر آستانہ کے خدام اور اہلِ بستی اُسی برہمن کی اولاد کے پاس گئے جس کے طفیل یہاں کے لوگ جواہر سنگھ جاٹ

کی لوٹ مار سے محفوظ رہے تھے۔

اُس برہمن کی اولاد چراغ دہلیؒ کے احاطے میں رہتی تھی اور اُس کا پوتا ۱۸۵۷ء میں زندہ تھا آستانہ کے خادموں نے اُس برہمن زادے سے کہا کہ ایک مرتبہ مصیبت کے وقت تیرے دادا نے حضرت سے التجا کی تھی اور اسی بستی کے لوگ مصیبت سے بچ گئے تھے آج پھر ہم لوگوں پر خطرے کے بادل منڈلا رہے ہیں اور انگریزوں کے خوف سے لوگ سہمے ہوئے ہیں اس لیے تو بھی حضرت کے مزار پر جا کر اہلِ بستی کی نجات کے لیے التجا کر۔

برہمن زادے نے یہ بات سُن کر اپنے دادا کی طرح غسل کیا۔ پیتل کی لٹیا میں پانی بھر اور حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کے مزار پر حاضری دی۔ وہ بہت دیر تک وہاں بیٹھا گریہ زاری کرتا اور مصیبت سے نجات کی پرارتھنا کرتا رہا۔ اُسی رات اُس نے سپنے میں دیکھا کہ حضرت چراغِ دہلیؒ ظاہر ہوئے اور اُسے کہتے ہیں۔

"بستی والوں سے کہہ دو کہ جو لوگ بستی میں آ گئے ہیں۔ انہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش نہ کریں اور اب نئے لوگوں کو بستی میں آنے نہ دیں۔ یہاں کوئی شخص تمہیں گرفتار کرنے نہیں آئے گا۔ نہ کوئی شخص مبتلائے مصیبت ہو گا۔"

کہتے ہیں اُس برہمن نے دوسرے روز بستی والوں کو خوشخبری سُنا دی۔ فی الواقع وہاں سب آدمی بالکل محفوظ رہے اور کوئی انگریز لشکر اُس بستی میں نہ آسکا۔

؎

رومی دوشیزہ سے عشق کا واقعہ

شیخ ابو عبداللہ اندلسی جو بغداد کے بڑے عالم و فاضل، قرآن مجید کی تمام قرأتوں سے واقف اور تیس ہزار حدیثوں کے حافظ تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں کے ساتھ ملک شام میں گئے۔ وہاں کسی گاؤں کے کنوئیں پر انہیں ایک رومی دوشیزہ نظر آئی جسے دیکھتے ہی شیخ اُس پر فریفتہ ہو گئے۔ پتہ چلا ہے کہ وہ گاؤں کے رئیس کی بیٹی ہے۔ ابو عبداللہ ساتھیوں کو چھوڑ کر رئیس کے پاس پہنچے اور شادی کی خواہش ظاہر کی۔

لڑکی کے باپ نے جواب دیا: "تم عیسائی ہو جاؤ۔ گرجا میں عبادت کرو۔ ہمارے سُور چراؤ پھر تمہارے سوال پر غور ہو گا۔"

ابو عبداللہ لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو چکے تھے۔ سب شرطیں قبول کرلیں اور عیسائی ہو کر سُور چرانے لگے۔ جن لوگوں نے انہیں اس حالت میں دیکھا وہ عشق کی طاقت پر حیران رہ گئے اور شیخ صاحب کو بغداد واپس چلنے کے لیے کہا مگر انہوں نے جواب دیا: "جو خدا کو منظور ہے وہی ہو گا۔ تم اس معاملے میں دخل نہ دو۔"

یہ جواب سُن کر وہ لوگ تو واپس آ گئے مگر شیخ عبداللہ بدستور اپنی محبت کی مشقت بھگتے اور سُور چراتے رہے۔ مگر لڑکی کے باپ نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا، اس ناکامی کے بعد نجانے ان کے دل میں کیا خیال آیا کہ کچھ عرصہ کے بعد شیخ بغداد لوٹ آئے اور پھر اپنی خانقاہ میں پہلے کی طرح عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ چند روز کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ جب

دروازہ کھلا تو چاند کا ایک ٹکڑا سیاہ چادر میں لپٹا دہلیز پر کھڑا تھا۔ اس نے کہا:
"آپ جس لڑکی کو شام کے گاؤں میں چھوڑ آئے تھے وہ حاضر ہے۔" یہ سنتے ہی شیخ ابو عبداللہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔ لڑکی نے بتایا۔

"میں نے خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا تھا اور ان کے کہنے پر مسلمان ہو چکی ہوں، حالتِ بیداری میں وہی بزرگ پھر ملے اور مجھے دجلہ کے کنارے پر چھوڑ گئے ہیں۔ انہوں نے اپنا نام خضر بتایا تھا۔"

شیخ نے یہ عجیب و غریب واقعہ سننے کے بعد لڑکی کو اپنی خانقاہ میں ایک حجرہ دے دیا اور پھر کبھی اس کی صورت نہ دیکھی۔ لڑکی بھی دن رات عبادت میں مشغول رہتی تھی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ بیمار پڑ گئی۔ جب جینے کی اُمید نہ رہی تو شیخ کو پیغام بھیجا۔

"موت کے آنے سے پہلے اپنی شکل دکھا جایئے۔"

شیخ عبداللہؒ آ گئے اور اسے روتے ہوئے دیکھ کر بولے: "گھبراؤ نہیں بہشت میں ہمارا تمہارا ساتھ ہو گا۔"

یہ بات بڑی عجیب ہے کہ لڑکی کی وفات کے چند روز بعد شیخ عبداللہ بھی فوت ہو گئے۔ ابو بکر شبلیؒ فرماتے ہیں۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں ان کا عقد رومی دوشیزہ کے ساتھ ہوا ہے۔

حضرت نجم الدین کبریٰ رح کی کرامت

شیخ سیف الدین باخرزی رح عالم جوانی میں مشائخ اور فقیروں، درویشوں کے سخت خلاف تھے اور اکثر اپنے وعظ میں بھی انہیں بُرا بھلا کہا کرتے تھے۔ ایک روز اس بات کا تذکرہ حضرت نجم الدین کبریٰ قدس اللہ سرۃ العزیز کے پاس ہوا تو کہنے لگے۔

"اب کے جب شیخ سیف الدین کا وعظ ہو تو مجھے ضرور وہاں لے چلو"۔

خدام نے عرض کیا کہ آپ کا وہاں جانا مناسب نہیں۔ کیونکہ شیخ سیف الدین درویشوں اور فقراء کے متعلق بدگوئی کرتے ہیں۔ اگر آپ کی موجودگی میں بھی انہوں نے کوئی بدتمیزی کی تو ہم برداشت نہ کر سکیں گے۔ حضرت کبریٰ رح اس بات پر بدستور اصرار کرتے رہے کہ وہ ضرور شیخ سیف الدین کا وعظ سُننے جائیں گے۔ چنانچہ ان کی خواہش کے مطابق انہیں اس مسجد میں لے جایا گیا۔ جہاں شیخ سیف الدین باخرزی وعظ کیا کرتے تھے۔

یہ بغداد کا واقعہ ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ جس روز حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رح وعظ سُننے کے لیے مسجد میں گئے۔ اسی دن شیخ شہاب الدین سہروردی کی تقریر سُن رہے تھے شیخ سیف الدین نے جب حضرت نجم الدین کبریٰ رح ایسے بزرگ درویش کو اپنی مجلس میں دیکھا تو مشائخ اور درویشوں کی جماعت کے خلاف خوب شعلہ افشانی کی لیکن حضرت کبریٰ رح کے صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ وہ خاموش بیٹھے صرف وعظ ہی نہیں سنتے رہے بلکہ سر بھی ہلاتے اور بار بار یہ فرماتے رہے:

" سبحان اللہ ! یہ نوجوان کس قدر قابل ہے اور کتنی فصاحت و بلاغت کے ساتھ تقریر کرتا ہے ۔"

آخر شیخ سیف الدین وعظ ختم کر کے منبر سے اُترے تو شیخ نجم الدین کبریٰؒ جانے کے لیے اُٹھے۔ جب وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے تو انہوں نے پیچھے مُڑ کر شیخ سیف الدین کی طرف دیکھا اور کہا :

" کیا وہ نوجوان صوفی میرے پیچھے نہیں آیا ؟ "

بجانے حضرت کے الفاظ میں کیا تاثیر تھی اور ان کی نگاہوں میں کیا طلسم پنہاں تھا کہ جونہی شیخ سیف الدین نے ان کی بات سُنی وہ دیوانہ وار آگے بڑھے۔ ان پر جذب و مستی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔

انہوں نے وہیں " یا شیخ ! " کا نعرہ لگایا اور اپنا گریبان چاک کر ڈالا پھر حضرت کبریٰؒ کے پیچھے بھاگے اور آ کر ان کے قدموں سے لپٹ گئے۔ شیخ سیف الدین کے علاوہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بھی آگے بڑھے اور حضرت کے قدموں میں گر پڑے۔ دونوں بزرگ ایک ساتھ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے مرید ہو گئے لوگوں نے یہ نظارہ دیکھا تو حضرت کی روحانی کرامت نے ان کے دلوں کو مسحور کر دیا۔

کہتے ہیں اس روز جب حضرت نجم الدین کبریٰؒ مسجد سے اپنی خانقاہ کی طرف جا رہے تھے تو شیخ سیف الدین باخرزیؒ ان کی دائیں سمت اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بائیں جانب پیادہ پا چل رہے تھے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت نے شیخ سیف الدین کو بخارا جانے کا حکم فرمایا اور کہا کہ ہم نے وہ علاقہ تمہیں عطا کر دیا۔ اس میں یہ نقطہ پوشیدہ تھا کہ بخارا کے علماء بھی سیف الدین کی طرح درویشوں کے خلاف تھے۔

❖

قِصّہ تین قاضیوں کا!

ابوالعباس قصاب کی طرح جلال قصاب بھی اولیائے حق میں سے گزرے ہیں۔ وہ دہلی میں رہتے تھے اور ان سے بہت سے علماؑ اور عوام نے فیض حاصل کیا اُن کا ایک شعر بہت مشہور ہے ؎

من پُورِ قصابم سخنم پوست کشیدہ است
من پوست کشم ہر کہ بیا بزار من آید

مَیں قصاب کا بیٹا ہوں میری مثال ایسی ہے، جس کی اوپر سے کھال کھینچ لی گئی ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مَیں ہر اس شخص کی کھال کھینچ لیتا ہوں۔ جو بازار میں آئے۔

جلال کے علاوہ دہلی میں ایک اور قصاب بھی تھے اور وہ بھی صاحبِ کرامت بزرگ تسلیم کیے گئے ہیں۔ اگرچہ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات میں اُن کا نام درج نہیں۔ لیکن اُن کی بعض کرامات بیان کی گئی ہیں۔ قاضی فخرالدین ناقلہ جو دہلی کے مشہور علماؑ میں سے گزرے ہیں۔ اپنے ابتدائی ایام میں ان کے پاس فیضِ صحبت کے لیے جایا کرتے تھے۔ جب انہیں قصاب کی خدمت میں جاتے کچھ عرصہ ہوگیا تو ایک روز قصاب درویش نے پوچھا:

"آپ کیا چاہتے ہیں اور کونسی خواہش رکھتے ہیں؟"

فخرالدین ناقلہ نے جواب دیا۔

"حضرت میرے دل میں قاضی بننے کی خواہش ہے۔" "دُعا فرمایئے کہ یہ خواہش پوری ہو۔"

قصاب ایک پل کے لیے مراقبہ میں گئے جب سر اُٹھایا تو کہا:

"جائیے آپ کے لیے قاضی کا عہدہ مقرر کر دیا گیا ہے۔"

ابھی اس واقعہ پر چند روز نہ گزرے تھے کہ سلطانِ ہند بلبن نے اپنے دربار میں طلب کیا اور قاضی کا عہدہ پیش کر دیا۔

قاضی فخر الدین ناقلہ قضاۃ کے عہدے پر تو فائز کر دیئے گئے اور وہ اپنے علم کے مطابق فیصلے بھی صحیح کرتے تھے۔ لیکن ان کے مزاج کی کیفیت یہ تھی کہ ہر وقت سلطان بلبن کے احکام کا بڑا خیال رکھتے اور ان کے مزاج کے خلاف کوئی فیصلہ نہ کرتے تھے۔

سلطان بلبن کی یہ روایت بھی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ میں نے تین قاضی مقرر کیے ہیں جو علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند ہیں۔ لیکن ان میں ایک قاضی مجھ سے مطلق نہیں ڈرتا بلکہ صرف خدا سے ڈرتا ہے اور وہ قاضی لشکر الدین ہے۔ دوسرا قاضی صرف مجھ سے ڈرتا ہے۔ خدا سے مطلق نہیں ڈرتا اور وہ قاضی فخر الدین ناقلہ ہے اور میرا تیسرا قاضی نہ مجھ سے ڈرتا ہے اور نہ خدا سے ڈرتا ہے۔

❊

روضے سے آواز آئی "جاؤ دعا کرو"

شیخ نظام الدین ابو المؤیدؒ سلطان ہند شمس الدین التمش کے عہد کے ایک مشہور بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ دہلی میں بارش نہ ہوئی لوگ بے حد پریشان تھے۔ انہوں شیخ نظام الدین ابو المؤیدؒ سے درخواست کی کہ وہ باران رحمت کے لیے دعا کریں۔

انہوں نے یہ درخواست قبول کرلی۔ منبر پر آئے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور جب دعا کر چکے تو آخر میں آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا :

"اے اللہ ! اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں کبھی کسی آبادی میں نہیں رہوں گا۔"

اس اندازِ تکلم میں اللہ تعالیٰ پر حد سے زیادہ اعتماد اور پیار نمایاں تھا۔ دعا کے بعد وہ منبر سے اتر آئے۔ خدا کی قدرت ملاحظہ فرمایئے کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور خوب بارش ہوئی۔

اس واقعہ کا شہر میں چرچا ہوا کہ شیخ ابو المؤیدؒ نے خدا پر زور دے کر بارش کرائی ہے۔ یہ بات سید قطب الدینؒ نے بھی سنی تو شیخ کے پاس آئے اور کہا :

"بے شک آپ کے بارے میں ہمارا پختہ اعتقاد ہے کہ آپ حق تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز رکھتے ہیں لیکن یہ تو فرمایئے کہ اگر خدا بارش نہ برساتا تو کیا ہوتا کیونکہ آپ نے کہہ دیا تھا کہ بارش نہ ہوئی تو میں کسی آبادی میں نہیں رہوں گا؟"

شیخ نے فرمایا : "مجھے علم تھا کہ بارش ضرور ہوگی۔"

"وہ کیسے ؟"

اس کے جواب میں شیخ نے بتایا کہ ایک مرتبہ میر اشیخ الاسلام سید نورالدین مبارک (جنہیں احتراماً میر دہلی کہا جاتا تھا) کا سلطان التمش کے ہاں جھگڑا ہو گیا تھا۔ میں نے ایک ایسی بات کہہ دی تھی جس سے انہیں صدمہ پہنچا۔ پھر اُن کی وفات تک اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہ ہو سکی۔ چنانچہ بارش کی دُعا کرنے سے پہلے میں سیدھا سید نورالدین مبارک کے مزار پر گیا اور وہاں جا کر کہا۔

"مجھ سے بارش کے لیے دُعا کرنے کو کہا گیا ہے میری ایک بات سے آپ کو صدمہ پہنچا تھا اب اگر آپ مجھ سے راضی ہوتے ہیں تو میں دُعا کرتا ہوں اور اگر راضی نہیں تو میں دُعا نہیں کروں گا۔"

اچانک روضے سے آواز سنائی دی۔

نظام الدین : میں تم سے راضی ہو گیا جاؤ بارش کے لیے دُعا کرو۔"

شیخ ابوالمؤید رح نے بتایا کہ اس طرح میں نے دُعا سے پہلے ہی محسوس کر لیا تھا کہ بارش ضرور ہو گی۔

⁂

سبزی پکائی اور دیگ سے ہیرے برآمد ہوئے

شیخ عثمان حرب آبادی رحمہ جو غزنی میں رہتے تھے اپنے وقت کے بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ وہ نانبائی تھے۔ شلغم چقندر اور اسی قسم کی سبزیاں دیگ میں پکاتے اور بیچتے تھے۔
اگر کوئی شخص اُن کے پاس سالن لینے آتا اور کھوٹا سکہ دے کر سالن خریدنا چاہتا تو شیخ عثمان رحمہ انکار نہ کرتے تھے۔ وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ گاہک کھوٹا سکہ دے رہا ہے۔ اسے سالن دے دیتے تھے اور یہ ہرگز نہ جتاتے تھے کہ وہ تو کھوٹا سکہ دے رہا ہے اسی طرح وہ کھرا سکہ دینے والوں کو بھی پورا سالن دیا کرتے تھے۔
ان کی اس عادت کے پیشِ نظر رفتہ رفتہ لوگوں میں یہ خیال راسخ ہونے لگا کہ شیخ عثمان کو کھرے اور کھوٹے سکے کی پہچان ہی نہیں، چنانچہ یہ سمجھ کر بہت سے لوگ انہیں کھوٹے سکے دے جاتے تھے۔ مگر شیخ عثمان رحمہ کوئی اعتراض نہ کرتے اور ان سکوں کو رکھ لیتے تھے۔
ایک مرتبہ شیخ عثمان رحمہ بیمار ہوئے تو انہوں نے خدا تعالیٰ سے دعا فرمائی "اے خدا — ! تو جانتا ہے کہ لوگ مجھے کھوٹے سکے دے جاتے ہیں اور میں انہیں اسی طرح قبول کرتا ہوں جس طرح کھرے سکے قبول کئے جاتے ہیں۔ میں ان سکوں کو رد نہیں کرتا۔ اس لیے اگر مجھ سے بھی کوئی جھوٹی عبادت ہوئی ہو تو اُسے اپنی عنایت سے قبول کر لینا اور مجھے رد نہ کرنا۔
کہتے ہیں ایک مرتبہ کوئی صاحب دل درویش شیخ عثمان رحمہ کے پاس آیا اور ان کی دیگ سے سالن طلب کیا۔ شیخ نے کفگیر دیگ میں ڈالا اور جب نکالا تو وہ موتیوں اور ہیروں سے بھرا ہوا

تھا۔ یہ دیکھ کر درویش کہنے لگا۔

"میں ان پتھروں کو کیا کروں؟"

شیخ عثمانؒ نے کفگیر کو دیگ میں اُلٹا دیا اور جب دوسری مرتبہ اُسے بھر کے نکالا تو اب کے اُس میں سونے کی ڈلیاں تھیں۔ درویش پھر بولا۔

"یہ میرے کس کام کی۔ دیگ سے کوئی ایسی چیز نکالو جسے کھا کر میں اپنا پیٹ بھر سکوں۔"

تیسری بار شیخ نے کفگیر دیگ سے نکالا تو اس میں وہی سبزی تھی جو انہوں نے پکائی تھی جب درویش نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا۔

"شیخ عثمانؒ! اب تمہیں اس دُنیا میں نہیں رہنا چاہیئے۔"

خدا کی حکمت دیکھئے۔ ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ شیخ عثمانؒ کا انتقال ہو گیا اور وہ دُنیا سے رخصت ہو گئے۔

☸

پیر صاحب نے غلام کو اپنے بیٹوں کے شر سے بچا لیا

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں غزنی کے پیر کا ایک عجیب و غریب واقعہ درج ہے۔ جسے امیر حسن سنجریؒ نے اپنی فارسی تصنیف "فوائد الفواد" میں نقل کیا ہے۔ امیر حسن کے بقول ایک روز حضرت سلطان المشائخ، محبوبِ الٰہی، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا:

غزنی میں ایک بزرگ مرشد تھے جن کا حلقہ ارادت بہت وسیع تھا۔ اُن کے ایک غلام کا نام زیرک تھا۔ جو ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہتا اور خدمت کرتا تھا۔ حضرت نے اسے علمِ معرفت کی تعلیم بھی دی تھی اور وہ ان کے فیض روحانی سے دوسرے تمام مریدوں پر سبقت لے گیا تھا۔

جب پیر صاحب کا وقتِ مرگ قریب آیا تو لوگوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا کہ ان کے بعد خلافت و جانشینی کا فرض کون ادا کرے گا؟

اس اضطراب کی وجہ یہ تھی کہ پیر صاحب کے چار بیٹے تھے۔ اگرچہ انہیں علم روحانی سے کوئی لگاؤ نہ تھا لیکن دنیاوی طلب اور شہرت کے شوقین تھے بظاہر وہی جانشینی کے امیدوار تھے اس لیے مریدوں نے پیر صاحب سے دریافت کیا۔

"حضرت ۔۔! آپ کے بعد آپ کی مسند پر کون بیٹھے گا۔"

انہوں نے جواب دیا۔

"میرا غلام زیرک"

یہ سن کر مرید تو مطمئن ہو گئے لیکن زیرک پریشان ہو گیا۔ اُس نے کہا۔

"حضرت! آپ کے فرزند بڑے تیز اور ہوشیار ہیں وہ مجھے آپ کی مسند پر کیوں بیٹھنے دیں گے۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھ سے جھگڑیں گے اور فتنہ و فساد برپا کریں گے۔"

حضرت نے کہا:

"زیرک۔۔! تمہیں ان کے جھگڑے کی پروا نہیں کرنی چاہیئے، تم حضورِ قلب کے ساتھ میری مسند پر بیٹھنا اور اگر وہ تم سے تنازعہ کریں گے تو مَیں تمہیں اُن کے شر سے بچا لوں گا۔"

اس بات پر زیرک مطمئن ہو گیا۔ جب پیر بزرگ وفات پا گئے اور لوگ اُن کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو چکے تو مرشد کی وصیّت کے مطابق زیرک ان کی مسند پر بیٹھ گیا اور مریدوں کا حلقہ اس کے گرد قائم ہو گیا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر چاروں بیٹے جو خود جانشینی کے طلب گار تھے۔ بڑے برافروختہ ہوئے اور بولے۔

"تم ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہو۔ تمہیں یہ جراٴت کیسے ہوئی کہ ہمارے والدِ بزرگ کی مسند پر بیٹھ جاؤ۔"

زیرک نے بتایا کہ اُس نے مرشد کے حکم سے ایسا کیا ہے لیکن سرکش بیٹوں نے اس بات کو تسلیم نہ کیا۔ وہ اُسے تنگ کرنے اور ستانے لگے۔ جب زیرک کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو ایک روز مرشد کے مزار پر حاضری دی اور عرض گزار ہوا۔

"آقا۔۔! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر میرے بیٹے تمہیں آزار دیں گے تو آپ مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھیں گے۔ اب مَیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ کے بیٹوں نے میری توہین و تذلیل میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ لہٰذا اپنا وعدہ ایفا کیجیے۔"

یہ دُعا کرنے کے بعد زیرک اپنی مسند پر لوٹ آیا۔ ابھی چند دن گزرے تھے کہ غزنی پر ایک غنیم نے حملہ کر دیا۔ اہلِ شہر مقابلہ کے لیے باہر نکلے اُن میں پیر صاحب کے چاروں بیٹے بھی تھے جو محض شہرت و ناموری کی خاطر سب سے آگے تھے مگر جنگ کے دوران چاروں کے چاروں ہلاک ہو گئے۔

اس طرح زیرک کو اُن کے شر سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی۔

☆

ہم تیرے بغیر جنّت میں نہیں جائیں گے

ہندووانہ رسم ورواج کی وجہ سے جنہیں خاص طور پر شہنشاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں مسلمانوں نے اپنانا شروع کر دیا تھا۔ توحید و رسالت ؐ کے بارے میں بھی غلط توجیہات کا آغاز ہو گیا تھا۔ جنہیں حضرت مجددؒ الف ثانی دُور کرنا چاہتے تھے۔ اُن میں بادشاہ کو تعظیمی سجدہ اہلِ حق کے نزدیک شرک کی علامت تھا جس سے انکار کر کے حضرت نے اہل ہند کے سامنے ایک اعلےٰ نمونہ پیش کیا تھا۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جب امام ربانی نے جہانگیر کے دربار میں تعظیمی سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں بادشاہ کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا تو شہزادہ خرم نے (جو بعد میں شاہجہاں کے لقب سے ہندوستان کے تخت پر بیٹھا اور ایامِ شہزادگی ہی میں حضرت سے عقیدت رکھتا تھا) اپنے دو معتقد آدمیوں افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمٰن کو ان کی خدمت میں بھیجا اور فقہ کی دو کتابیں بھی ساتھ روانہ کیں جن میں تعظیمی سجدہ کا جواز پیش کیا تھا اور یہ پیغام بھجوایا کہ حضرت ملاقات کے وقت بادشاہ کو سجدہ کر لیں تو میں اس امر کا ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کو ہر گز ہر گز کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے گی۔

حضرت نے جواب دیا: "بے شک جان بچانے کے لیے یہ بھی جائز ہے لیکن توحید کا تقاضا یہی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔" اور آپ اسی مسلک پر قائم رہے۔۔۔!

مہابت خاں کی بغاوت اور جہانگیر و نور جہاں کی اسیری کے بعد اگر حضرت مجددؒ چاہتے تو

کاروبارِ حکومت بھی سنبھال سکتے تھے، مگر وہ ملکی حالات کو درہم برہم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انہی ہدایت پر مہابت خاں نے نہ صرف بادشاہ اور ملکہ کو رہا کر دیا بلکہ پہلے کی طرح اظہارِ اطاعت بھی کیا۔ اس واقعے سے حضرت مجددؒ کی بے غرضی اور اصول پرستی واضح ہو گئی اور بادشاہ بھی دل سے اُن کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ چنانچہ کشمیر کے سفر کے دوران دو مرتبہ جہانگیر نے ازرہ عقیدت حضرت کے لنگر سے کھانا کھایا۔ آخری عمر میں بادشاہ کہا کرتا تھا۔

" میں نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ جس سے آخرت میں بخشش کی اُمید کر سکوں۔ لیکن میرے پاس حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی ایک دستاویز ہے۔ روزِ قیامت وہی خدا کے حضور پیش کر دوں گا۔ اُس دستاویز کے مطابق امام ربانی نے ایک دن فرمایا تھا: اگر اللہ تعالےٰ ہمیں جنت میں لے جائے گا تو ہم تیرے بغیر نہیں جائیں گے۔"

کہاں تو جہانگیر تعظیمی سجدہ سے انکار پر حضرت کے قتل پر تیار ہو گیا تھا اور کہاں اُن سے عقیدت کا جذبہ۔ یہ سب کچھ حضرت مجددؒ کا روحانی کرشمہ تھا۔

❖

پاک رحمٰن چالیس دن سِل کے نیچے دبے رہنے کے باوجود زندہ رہے

حضرت عبدالرحمٰن المعروف پاک رحمٰن قادری طریقت کے سلسلۂ نوشاہی میں بیعت تھے۔ آپ کے پیرِ طریقت نوشہ گنج رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ جن سے سلسلہ نوشاہیہ کا آغاز ہوتا ہے۔

"تحقیقاتِ چشتی" کے مؤلف مولانا نور احمد چشتی آپ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "حضرت نوشہ گنج بخش رح کے دو خلیفہ نامی سجادہ نشین ہوئے ہیں۔ ایک فقیر عبدالرحمٰن جن کو پاک رحمٰن کہتے ہیں اور وجہ تسمیہ پاک رحمٰن کی یہ ہے کہ ایک روز کا ذکر ہے۔ یہ عبدالرحمٰن صاحب ہمراہ حضرت نوشہ صاحب چلے جاتے تھے۔ راستہ میں دریا آیا۔ وہاں حضرت نوشہ صاحب تو کشتی پر سوار ہو گئے اور جب یہ صاحب کشتی پر سوار ہونے لگے تو پاؤں پھسل گیا اور دریا میں گر پڑے۔ کنارۂ دریا سے ان کے اوپر اتفاقاً ایک سِل مٹی کی آپڑی۔ وہ اس کے نیچے آکر دب گئے۔ حضرت نوشہ صاحب بحالتِ استغراق آگے چلے گئے۔ بعد چالیس دن کے کسی خادم نے نوشہ صاحب کو کہا "یا مولا! حضرت عبدالرحمٰن کو آج چالیس روز ہوئے ہیں کہ نظر نہیں آئے۔ آپ خیالِ باطن کر کے واپس اسی دریا پر تشریف لائے۔ دیکھا کہ اس جگہ سے پانی ہٹ گیا ہے اور زمین سفید پڑی ہے۔ حضرت نے اس جگہ کو کھدوایا۔ اس کے نیچے سے عبدالرحمٰن رح زندہ نکل آئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن تو تکلیفِ زمانہ سے پاک ہے۔ اس دن سے ان کا نام پاک رحمٰن مشہور ہو گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ مادر زاد ولی اللہ تھے۔ چنانچہ حضرت نوشہ گنج موضع بھڑی سے گزرے

تو ان پر نظر پڑ گئی۔ جو اس وقت پانچ سال کے تھے۔ آپ کا دیکھنا تھا کہ اس خورد سالی میں پاک رحمٰن میں بے خودی اور جذب و مستی پیدا ہو گئی۔ جس کی وجہ سے آپ رحمٰن دیوانہ مشہور ہو گئے آپ کے والد انہیں حضرت نوشہ کے پاس چھوڑ آئے۔ جہاں انہوں نے آپ کی تربیت میں خاص دلچسپی لے کر انہیں ولیٔ کامل بنا دیا۔

حضرت نوشہ گنج رح آپ کی ذات پر خاص توجہ دیتے تھے۔ مفتی غلام سرور نے "خزینۃ الاصفیاء" میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ ان کی تحریر کی روشنی میں آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت نوشہ گنج رح کے نزدیک آپ کا مقام کس قدر بلند تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"آپ کی ذات پر مرشد کی توجہ و التفات بے حد و نہایت تھی۔ جیسی کسی دوسرے خلیفہ کے حال پر نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ آپ عرفان و حقیقت شناسی کے مقامِ اعلیٰ پر فائز ہوئے مرشد کو آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مریدوں کو تہذیب و تکمیل کے لیے آپ کے سپرد کر دیتے تھے اور یہ سلسلہ حضرت نوشہ گنج کی وفات کے بعد بھی جاری رہا کہ حضرت نوشہ عالی جاہ کے بہت سارے خلیفہ شیخ عبدالرحمٰن کی خدمت سے تکمیل کو پہنچے۔ حتیٰ کہ مولانا حافظ برخوردار کے فرزندوں اور حضرت نوشہ کے پوتوں نے بھی آپ ہی کے زیرِ نگرانی تربیت و تکمیل پائی۔ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ناکام نہیں رہتا تھا۔ کمالِ علم و فضل کے ساتھ آپ پر غلبہ احدیت بھی بے انتہا تھا۔

شاہ عنایت قصور سے نکالے گئے؟

حضرت شاہ عنایت قادری روشن ضمیری اور علوم باطنی میں مشہور تھے۔ آپ کو جب قصور سے جلاوطن کیا گیا تو لاہور آ گئے تھے۔ چنانچہ مزار چوڑیاگھر کے قریب کوئینز روڈ پر واقع ہے۔ ان کی جلاوطنی کا قصہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔

کہتے ہیں کہ قصور کی ایک مشہور گانے والی کا شوہر فوت ہو گیا تو وہ شاہ عنایت کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ مجھے اپنی کنیزوں میں داخل کر لیجیے۔ ان کی خانقاہ میں بہت بڑا لنگر جاری تھا۔ مطربہ کو جو حاملہ تھی۔ زنان خانے میں خدمت گزاری کا حکم ہوا۔ چھ ماہ کے بعد اس کے ہاں ایک حسین و جمیل لڑکی پیدا ہوئی۔ جب وہ بچی تربیت و پرورش پا کر سنِ بلوغت کو پہنچی تو اس نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور حسنِ صورت کے ساتھ حسنِ سیرت کی بھی مالک بنی۔

ایک روز وہ شاہ عنایت کے لیے کھانا لے کر زنان خانے سے نکلی تو آپ نے اس کی خوبی اور خوبصورتی کے پیش نظر حکم دیا کہ آئندہ سے باہر مت نکلو۔ چنانچہ وہ گھر میں مستور ہو گئی۔ کچھ دن ٹھہر کے مطربہ شاہ عنایت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی :

"میری بیٹی جوان ہو گئی ہے آپ کسی سے اس کی شادی کر دیجیے۔"

شاہ عنایت نے جواب دیا۔

"میں خود تمہاری لڑکی کا طلب گار ہوں۔"

مطربہ نے اس بات کو سعادت سمجھ کر اپنی لڑکی کا رشتہ شاہ عنایت سے کر دیا۔ جس پر قصور

میں بڑا شور مچا اور بات حاکم قصور نواب حسین خاں تک جا پہنچی۔ نواب نے شاہ عنایت کو بلایا اور کہا:

"یہ مناسب نہیں تھا کہ آپ اپنی کنیز اور مطربہ کی بیٹی سے نکاح کرتے۔" انہوں نے وضاحت کی کہ جب شریعت کی رو سے جائز ہے تو تم اعتراض کرنے والے کون ہو۔ نواب حسین خاں کو یہ بات بُری لگی۔ غصّے میں آکر حکم دیا۔

"اب آپ کا قصور میں رہنا مناسب نہیں اس شہر سے نکل جائیں۔"

اس حکم کے مطابق شاہ عنایت اپنے اہل و عیال سمیت قصور سے نکل کر لاہور کی طرف روانہ ہو گئے۔ بے شمار خادم اور مرید انہیں رخصت کرنے آئے۔ شاہ عنایت کو قصور سے جلاوطنی کا بڑا قلق تھا۔ کیونکہ انہیں ایک جائز فعل پر بدنام کیا گیا تھا۔ انہوں نے حاکم قصور نواب حسین خاں کے بارے میں کہا "میں نے اُس کی زندگی کی جڑ کاٹ کر پھینک دی ہے۔"

خدا کی قدرت کہ تھوڑے عرصے بعد نواب حسین خاں کا انتقال ہو گیا۔ تاہم شاہ عنایت قادری پھر قصور نہیں گئے، وہ لاہور ہی میں رہے اور اسی خاک میں دفن ہوئے۔

❖

وہ محبوبہ کا وصل حاصل نہ کر سکے مگر ولی اللہ بن گئے

حضرت ابوحفص عمر بن سالم نیشاپوریؒ جن کا ذکر ہم ابھی کر چکے ہیں۔ خراسان کے مشائخ میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ لیکن علی ہجویریؒ نے ان کے بارے میں ایک دلچسپ حکایت درج کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ سلوک و معرفت کے کوچہ میں قدم رکھنے سے قبل عمر بن سالم ایک خوبصورت کنیز پہ عاشق ہو گئے۔ وہ خود آہن گر تھے اور کنیز ان کے پیشے کی وجہ سے ان کی طرف التفات نہیں کرتی تھی۔ ادھر عمر بن سالم دل و جان سے اس کے دیوانے ہو چکے اور ہر وقت اسی کی خیالوں میں مگن رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی بے قراری کا حال لوگوں پر بھی منکشف ہو گیا اور وہ عمر بن سالم کے رازِ محبت سے آگاہ ہو گئے۔

ہر وقت کی تڑپ اور وحشت کو دیکھ کر لوگوں نے انہیں مشورہ دیا کہ نیشاپور کی ایک نواحی بستی میں ایک یہودی جادوگر رہتا ہے جو محبت کا عمل بھی کرتا ہے اس کے پاس جاؤ۔ وہی تمہارا علاج کر سکتا ہے۔

عمر بن سالم دل کے ہاتھوں مجبور تھے کیونکہ کنیز کے عشق نے ان کی حالت غیر کر دی تھی وہ اپنے دل کی مراد حاصل کرنے کے لیے یہودی کے پاس پہنچے اور اسے اپنی روداد سنا کر کہا کہ کوئی ایسا عمل بتاؤ کہ محبوبہ اس کی طرف متوجہ ہو یہودی نے بتایا: "میں تمہارے مرض کا علاج تو کر سکتا ہوں اور ایسا عمل بھی بتا سکتا ہوں جس سے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن تمہیں میری شرائط پہ عمل کرنا ہو گا۔"

عمر بن سالم فوراً رضامند ہو گئے کہ وہ ہر شرط پوری کریں گے۔

یہودی نے کہا: "تمہاری دلی مراد صرف اس صورت میں بر آسکتی ہے کہ چالیس روز تک نماز نہیں پڑھو گے کوئی نیکی نہیں کرو گے۔ حتیٰ کہ کسی نیکی کی نیت تک سے باز رہو گے اگر تم نے یہ چلّہ کاٹ لیا تو میں ایک ایسا عمل کروں گا کہ محبوبہ تمہارے قدموں میں آگرے گی۔"

عمر بن سالم تو محبت میں دیوانے ہو رہے تھے ہر شرط پوری کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ چالیس روز تک انہوں نے نماز ترک کر رکھی اور نیکی کا خیال تک ذہن میں نہ لائے۔ مدّت پوری ہونے کے بعد وہ یہودی کے پاس پہنچے اور اس نے اُن پر مخصوص طلسماتی عمل بھی کر ڈالا مگر ان کی مراد بر نہ آسکی اور وصالِ یار نصیب نہ ہوا جس پر یہودی نے کہا: "چالیس روز کے درمیان تو نے ضرور کوئی نیک کام کیا ہے۔ جس کی وجہ سے میرا عمل باطل ہو گیا ہے۔"

عمر بن سالم نے جواب دیا: "مَیں نے تو کوئی نیک کام نہیں کیا، البتہ اس قدر یاد ہے کہ ایک روز مَیں نے رستے میں ایک پتھر پڑا دیکھا اور اسے ہٹا دیا تھا کہ مبادا کوئی شخص اسے ٹکرا کر گر جائے۔

یہ سُن کر یہودی کہنے لگا۔

"تمہاری اس حقیر سی نیکی کو بھی خدا نے فراموش نہیں کیا۔ میرا عمل بے اثر ہو گیا ہے تم چالیس روز تک خدا کا حکم ٹالتے رہے ہو۔ ذرا سوچو تو سہی کیا تمہارا رب تم سے آزردہ نہ ہو گا۔"

عمر بن سالم نے اسی وقت توبہ کر لی اور دُنیاوی محبت کو چھوڑ کر محبتِ الٰہی کا شکار ہو گئے ان کی اس کیفیت کا یہ اثر ہوا کہ خود یہودی بھی مسلمان ہو گیا۔

❖

حضرت خواجہ گیسو دراز دل کا بھید جان گئے

حضرت خواجہ محمد گیسو درازؒ ۷۲۱ھ میں بمقام دہلی پیدا ہوئے، اصل نام محمد اور کنیت ابوالفتح تھی۔ مگر صوفیائے کرام اور عوام میں خواجہ گیسو دراز کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت زین العابدین بن امام حسین رضؓ سے ملتا ہے۔

خواجہ صاحب دہلی میں جمعہ کی نماز سلطان قطب الدین ایبک کی جامع مسجد میں ادا کرتے تھے۔ وہیں حضرت چراغ دہلی رحؒ سے ان کی ملاقات ہوئی اور ان کے حلقۂ بیعت میں شامل ہو گئے تذکرہ نویس گیسو دراز کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ دوسرے مریدوں کے ہمراہ اپنے مرشد حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی پالکی اٹھائے چلے جا رہے تھے۔ ان کے بال دراز تھے جو پالکی کے ایک پایہ میں پھنس گئے۔ آپ کو اگرچہ بہت تکلیف ہوتی رہی۔ مگر پالکی رکوا کر اپنے بال چھڑانے کو سوئے ادب سمجھا۔ اپنے مرشد کی خاطر یہ تکلیف برداشت کرتے رہے اور پالکی اٹھائے چلتے رہے۔ منزل پر پہنچنے کے بعد حضرت چراغ دہلیؒ کو اس واقعے کا علم ہوا تو ان کی محبت اور عقیدت سے متاثر ہو کر ایک شعر پڑھا:

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد والله خلاف نیست کہ او عشق باز شد

اس کے بعد سید محمد خواجہ گیسو دراز کے نام سے شہرت پا گئے۔

دہلی کے علماء میں ایک بزرگ مولانا حسین حضرت خواجہ گیسو درازؒ کے مرید تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے داماد کو بھی ان کی صحبت میں لے گئے۔ خواجہ صاحب ایک تخت پر بیٹھے تھے۔ سر پر عمامہ

بندھا تھا اور ہاتھ میں سُرخ چمڑے کا ایک پنکھا تھا۔ جس سے ہوا کر رہے تھے۔ مولانا حسین کے داماد کے دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ اگر خواجہ صاحب واقعی صاحب کرامت اور اہل کشف ہوئے تو یہ پنکھا اور عمامہ مجھے عنایت کر دیں گے۔ حضرت کو اسی لمحے اس کے دل کی بات معلوم ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے مولانا حسین سے مخاطب ہو کر ایک حکایت بیان کی اور فرمایا:

بغداد میں ایک تماشا گر اپنے گدھے کے کرتب دکھاتا تھا۔ وہ بازار میں مجمع لگاتا اور اپنے گدھے کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر لوگوں سے کہتا کہ اس مجمع میں اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز چرائے تو میرا گدھا چور کو پکڑ لے گا اور مزیدار بات یہ ہے کہ وہ چور کو چیز چراتے وقت دیکھ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے، چنانچہ جب تماشا گر کی یہ بات سن کر مجمع میں سے کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کی کوئی چیز چرا لیتا تو مالک گدھے کی ایک آنکھ سے کپڑا ہٹا دیتا اور گدھے سے مخاطب ہو کر کہتا اس شخص کی چیز چوری ہو گئی ہے تم چور کو پکڑو اس پر گدھا لوگوں کو سونگھنا شروع کر دیتا اور جب چور کے پاس پہنچتا تو اپنے دانتوں سے اس کا کپڑا پکڑ کر گھسیٹ لیتا جس پر لوگ دنگ رہ جاتے کہ گدھے نے چور کو کیسے پکڑ لیا۔

یہ قصہ بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ گیسو دراز نے فرمایا کہ جب خدا نے ایک گدھے کو یہ حس بخشی تھی کہ وہ چور کو سونگھ لیتا تھا تو پھر اہل اللہ لوگوں کے دلوں کا بھید کیوں نہیں جان سکتے یہ کہہ کر حضرت نے اپنا پنکھا اور عمامہ مولانا حسین کے داماد کو دلا دیا۔ وہ حضرت کا معتقد ہو گیا اور اسی وقت بیعت کر لی۔

❖

اُس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا

خواجہ اجل شیرازیؒ بڑے کامل درویش اور صاحبِ کرامت بزرگ ہوئے ہیں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات میں خواجہ اجل سے متعلق ایک بڑا ہی عجیب اور خارق عادت واقعہ درج ہے۔ جسے میں لوگوں کی عبرت کے لیے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں۔

خواجہ اجل شیرازیؒ کا حلقۂ ارادت کافی وسیع تھا۔ وہ اپنے مریدوں کا بڑا خیال رکھتے اور ان کے دُکھ درد میں شریک ہوتے تھے کہ ایک کامل درویش سلوک و طریقت کی وادی میں پہنچ کر اپنے دوستوں اور مریدوں کو اپنا خاندان سمجھنے لگتا ہے اور اگر کسی دوست یا مرید کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ تکلیف دراصل مرشد کو ہوتی ہے۔

کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مرید خواجہ اجل شیرازیؒ کے پاس آیا اور اس نے بڑے دُکھ بھرے لہجے میں اپنے ہمسائے کی شکایت کی۔ جس کی شرارت اور ایذا رسانی سے وہ بے حد عاجز آچکا تھا مرید نے بتایا۔

"میرے مکان کی صورت ایسی ہے کہ پڑوسی کی نظر میرے ہاں پڑتی ہے۔ لیکن وہ چاہے تو اس سے باز بھی رہ سکتا ہے۔ لیکن میرا ہمسایہ مجھے تنگ کرتا اور جان بوجھ کر میرے گھر کی طرف دیکھتا ہے۔ جس سے میرے اہلِ خانہ کو بڑی پریشانی ہوتی ہے۔"

خواجہ اجل شیرازی نے پوچھا:

"کیا تم نے اسے منع کیا ہے کہ وہ تمہارے مکان پر نظر نہ ڈالے اور پردے کا خیال رکھے"۔

مرید نے جواب دیا: "یا حضرت! بار بار اسے سمجھا چکا ہوں۔ لیکن وہ ایذا رسانی سے باز ہی نہیں آتا۔"

خواجہ اجل نے دریافت کیا۔

"کیا ہمسایہ یہ بھی جانتا ہے کہ تمہارا تعلق مجھ سے ہے؟"

اس نے عرض کیا۔ "جی ہاں! اُسے اچھی طرح معلوم ہے کہ مَیں آپ کا مرید ہوں۔"

یہ سُن کر خواجہ اجل شیرازیؒ پُر جوش لہجے میں بولے:

"اگر وہ جانتا ہے کہ تم میرے مرید ہو اور یہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی تمہارے گھر میں بُری نظر ڈالتا ہے تو پھر ابھی تک اس کی گردن کا منکا کیوں نہیں ٹوٹا۔"

پھر خواجہ اجل نے کچھ پڑھ کر دم پھونکا۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں جب مرید اپنے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ہمسائے کی گردن کا منکا ٹوٹا پڑا ہے۔ اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ اُسے پتہ چلا کہ تھوڑی دیر پہلے لکڑی کی دو کھڑاویں نجانے کہاں سے آئیں اور اس کی گردن پر اس زور سے لگیں کہ گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ وہ گرا اور مر گیا۔

اس ہمسائے کی موت تمام لوگوں کے لیے سامانِ عبرت بن گئی اور خواجہ اجل شیرازی کی کرامت اور غیرت کا چرچا پھیل گیا۔

❖

خلیفہ ہارون الرشید رونے لگے

ابن ربیع بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراہ مکہ کا سفر کیا جب ہم لوگ حج سے فارغ ہو چکے تو خلیفہ نے مکہ کے ممتاز علماءُ و فقہا سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور مجھے کہا کہ میں انہیں کسی بزرگ ترین ہستی کے پاس لے چلوں۔

اُن دنوں عبدالرزاق صنعانی مکہ میں مقیم تھے۔ میں نے ان کا ذکر کیا تو خلیفہ نے کہا کہ انہی کے پاس لے چلو۔ چنانچہ ہم دونوں اُس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ دیر تک باتیں ہوتی رہیں جب رخصت ہونے لگے تو خلیفہ نے مجھ سے کہا، میں دریافت کروں کہ عبدالرزاق کسی کے مقروض تو نہیں ؟

میں نے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا "ہاں میں مقروض ہوں۔"

ہارون الرشید نے حکم دیا کہ اُن کا قرض ادا کر دیا جائے۔ پھر ہم دونوں باہر آگئے تو خلیفہ نے کہا: "میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی مردِ کامل سے ملوں جو عبدالرزاق سے بھی بلند درجہ رکھتا ہو۔

میں نے بتایا "حضرت سفیان بن عیینہ رح بھی مکہ میں رہتے ہیں" یہ سُن کر بولے: "ہاں۔ اُن کے پاس چلنا چاہیے۔"

ہم سفیان بن عیینہ رح کے پاس پہنچے اور جب واپسی کا ارادہ کیا تو ان سے بھی یہی سوال کیا کہ آیا وہ مقروض تو نہیں ہیں ؟ جس پر سفیان نے جواب دیا کہ ہاں، خلیفہ نے حکم دیا کہ ان کا قرض بھی بے باک کر دیا جائے

واپسی پر ہارون الرشید کہنے لگے کہ مَیں جس بزرگ کی تلاش میں ہوں وہ ابھی تک نہیں مل سکے۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ فضیل بن عیاضؒ بھی تو یہیں رہتے ہیں چنانچہ مَیں خلیفہ کو اُن کے دروازے پر لے گیا۔

یاد رہے کہ فضیل بن عیاضؒ عہدِ شباب میں ڈاکو بلکہ ڈاکوؤں کے سردار تھے اور توبہ کرنے کے بعد جب نیکی کی راہ پر گامزن ہوئے تو ولی اللہ بن گئے تھے۔

ابن ربیع بیان کرتے ہیں۔ مَیں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور بتایا کہ امیر المومنین آپ سے ملنے آئے ہیں تو فضیل نے کہا: "مجھے امیر المومنین سے کیا مطلب؟"

اس پر مَیں نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ایک حدیث سنائی وہ نیچے آئے۔ دروازہ کھولا اور چراغ گل کر کے ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔ خلیفہ اندھیرے میں انہیں ادھر اُدھر ڈھونڈنے لگا حتّٰی کہ اُس کا ہاتھ حضرت فضیل کے ہاتھ میں چلا گیا۔ فضیل بولے۔

"کاش! یہ نرم ہاتھ جس سے زیادہ نرم ہاتھ میں نے نہیں دیکھا خدا کے عذاب سے بچ جائے۔" یہ سُن کر ہارون الرشید نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ انہیں نصیحتیں کرتے اور احادیث سُناتے رہے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ پر کوئی قرض نہیں تو انہوں نے جواب دیا۔

"صرف اللہ کا قرض میری گردن پر ہے اور وہ اس کی اطاعت کا قرض ہے۔"

رخصت ہوتے وقت خلیفہ نے ایک ہزار درہم کی تھیلی پیش کی کہ قبول فرمائیں۔ مگر فضیل نے جواب دیا: "امیر المومنین مَیں آپ کی نجات چاہتا ہوں اور آپ میری ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں۔"

ہارون یہ سُن کر رونے لگے اور جب ہم باہر آئے تو کہا کہ اصل حکمران تو فضیل ہے۔

بادشاہ نے آسمان پر لوحِ محفوظ پڑھ لی

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ بعض بادشاہ بھی بڑے صاحب عرفان اور اہلِ کرامت ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بتایا۔

ایسا ہی ایک نیک سیرت بادشاہ ایک روز محل کے دریچے میں بیٹھا وہاں سے شہر کا نظارہ کر رہا تھا اُس کی ملکہ بھی اُس کے پہلو میں تخت پر بیٹھی تھی۔ اچانک بادشاہ نے آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ دیر تک اُس کی آنکھیں آسمان پر جمی رہیں۔ پھر اُس نے شہر کے اطراف پر نظر ڈالی اور ایک بار پھر آسمان کو دیکھنے لگا۔ وہ دیر تک آسمان پہ نظریں جمائے رہا۔ پھر اُس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور بے اختیار اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ملکہ بے حد حیران ہوئی۔ اُس نے بادشاہ سے آسمان کی طرف دیکھنے پھر اُس کے چہرے کو دیکھ کر رونے کا سبب پوچھا، بادشاہ نے جواب دیا۔

"رہنے دو یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ اس پر بات چیت کی جائے۔

لیکن ملکہ نے بے حد اصرار کیا اور حقیقت دریافت کی جس پر بادشاہ کہنے لگا۔

ابھی ابھی جب اچانک میری نظر آسمان کی طرف اُٹھی تو مَیں نے لوحِ محفوظ کو دیکھا تو مجھے پتہ چلا کہ میرا نام زندہ انسانوں کی فہرست سے خارج کیا جا رہا ہے اور میں سمجھ گیا کہ میری وفات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اب میں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ میرے بعد اس تخت پر کون متمکن ہو گا۔ تو مجھے پتہ چلا کہ وہ ایک حبشی ہے جو نہ صرف میرے بعد سلطنت کا مالک ہو گا بلکہ تو بھی اُس کے

نکاح میں چلی جائے گی۔"

یہ سن کر ملکہ نے تعجب سے پوچھا۔

"آپ کیا سوچتے اور کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

بادشاہ نے جواب دیا: "میں راضی برضا ہوں خدا جو فیصلہ کرتا ہے۔ وہی بہتر ہوتا ہے۔"

اس کے بعد واقعی بادشاہ نے اُس حبشی کو شہر کے اطراف سے طلب کیا اپنا لباس اُسے پہنایا پھر اپنا ولی عہد مقرر کر کے اور فوج دے کر ایک مہم پر روانہ کر دیا۔

اس مہم میں سلطنت کے بڑے بڑے امرأ اُسی حبشی کے ماتحت کر دیئے گئے تھے۔ اُس نے بڑی بہادری کے ساتھ مہم سر کر لی۔ بادشاہ کے دشمنوں کو شکست دے دی اور کامیاب و کامران واپس آیا جس پر اُس کا زبردست استقبال کیا گیا۔

اتفاق سے انہی دنوں بادشاہ فوت ہو گیا۔

حبشی نے جسے بادشاہ نے ولی عہد بنایا تھا چونکہ مہم کے دوران اہل لشکر اور امراء سے بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ اس لیے سب لوگ اس کے گرویدہ تھے انہوں نے مطالبہ کیا اب وہی بادشاہ کی جگہ اُن کا حکمران ہو چنانچہ وہی حبشی سپہ سالار بادشاہ مقرر ہو گیا۔ پھر مرحوم بادشاہ کی ملکہ بھی اُس کے نکاح میں آ گئی اس طرح بادشاہ کا وہ کشف پورا ہوا جو اُس نے بیوی کی موجودگی میں دیکھا تھا۔

☆

طوائف خود بے ہوش ہوگئی

سائیں توکل شاہ انبالہ کے ایک مشہور فقیر منش آدمی گزرے ہیں۔ جن کی بعض کرامتوں کا ذکر "صحیفۂ محبوب" میں کیا گیا ہے۔

سائیں توکل شاہ انیسویں صدی میں فوت ہوئے تھے۔ سائیں جی کے پاس اکثر درویش اور فقیر آیا کرتے تھے۔ جن میں زیادہ تر اُن کے مرید ہوتے تھے۔ ایک مرید درویش نے درخواست کی کہ وہ ریل گاڑی کے ذریعے لاہور سے آگے تک سفر کرنا چاہتا ہے۔ شاہ صاحب سفر سے بخیریت لوٹ آنے کی دُعا کریں۔ یہ سُن کر سائیں توکل شاہ نے پانی کا ایک لوٹا منگوایا اور اس درویش کو دیتے ہوئے کہا:

"گرمی کا موسم ہے۔ سفر کے دوران پیاس لگے گی تم اس لوٹے سے پانی پینا۔"

جب وہ درویش انبالہ سے ریل پر سوار ہوا تو اُسے سائیں جی کی نصیحت یاد تھی اثنائے سفر وہ اُسی لوٹے کے پانی سے اپنی پیاس بجھاتا رہا۔ ریل ابھی امرتسر کے سٹیشن سے دو تین اسٹیشن دُور تھی کہ ایک مقام سے ایک طوائف ریل کے اُس ڈبے میں سوار ہوئی جس میں درویش سفر کر رہا تھا اس کے ہمراہ اُس کے سازندے اور مراثی بھی تھے اور پانی کی صراحی بھی ساتھ تھی۔ کھانے کے وقت وہ لوگ جب کھانے میں مصروف ہوئے تو طوائف انہیں صراحی سے پانی پلانے لگی۔ درویش کو خیال نہ رہا اور بے دھیانی میں اُس کا ہاتھ بھی پانی لینے کے لیے اُٹھ گیا۔ ٹھیک اُسی لمحے اُس کا پاؤں لوٹے سے ٹکرایا اور اُسے سائیں جی کی نصیحت یاد آگئی چنانچہ اُس نے طوائف کے ہاتھ سے پانی لینے سے

انکار کر دیا اور اپنے لوٹے سے پانی پی لیا۔

طوائف حسین و جوان تھی اُس نے توہین محسوس کی وہ اپنی جگہ چھوڑ کر درویش کے سامنے آ بیٹھی اور اپنے حسن کی اداؤں سے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے لگی مگر درویش کو سخت اُلجھن تھی کہ وہ اس حسین فتنہ گر سے نجات کیسے حاصل کرے۔ اُس نے اپنے دل میں توکل شاہ کو یاد کیا ٹھیک اُس لمحے طوائف وہاں سے اُٹھی اور ایک تختے پر بے ہوش ہو کر گر پڑی اُس کے ساتھیوں نے شور مچایا کہ فقیر نے اُس پر جادو کر دیا ہے۔

طوائف لاہور تک بے ہوش رہی اُسی حالت میں اُسے لاہور اتار لیا گیا اور درویش آگے نکل گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد درویش اپنے سفر سے واپس ہوا اور انبالے پہنچا تو اُس نے سائیں جی سے کہا کہ وہ بخیریت واپس آ گیا ہے۔

سائیں جی نے کہا اگر ہم تمہاری مدد کو نہ پہنچتے تو تم پانی کے پیالے پر پھسل چکے تھے۔

ایک مدت کے بعد وہی درویش لاہور آیا تو اُسے پتہ چلا یہاں ایک مائی ہے جس کے دم کرنے سے مریض اچھے ہو جاتے ہیں۔ درویش کو شوق پیدا ہوا کہ اُسے دیکھے، جب مائی سامنے آئی تو درویش دنگ رہ گیا یہ وہی طوائف تھی جو کئی سال پہلے اُسے ریل میں ملی تھی اُس نے بھی درویش کو پہچان لیا اور اپنا سر اُس کے قدموں میں رکھ دیا۔ وہ کہنے لگی۔ مجھے جو کچھ ملا آپ کے طفیل ملا۔ جب میں ریل میں آپ کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی تو میرے سامنے ایک بزرگ شکل نمودار ہوئے تھے۔ جس نے مجھ پر دم کر دیا اور میں بے ہوش ہو گئی۔ بس اس نے کلمہ شریف پڑھ کر جو دم کیا تھا مجھے یاد رہ گیا اور اب میں اُسی کی برکت سے بیماروں کو اچھا کرتی ہوں۔

٭٭٭

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ اور سندھ کی تہذیب

حیدر آباد سے ۳۳ میل مشرق کی سمت ریت کے تودوں کے درمیان ایک بستی اپنے نخلستانوں اور ہری بھری کھیتیوں کے درمیان گھری ہوئی ہے جس کی ہریالی بڑی زندگی بخش معلوم ہوتی ہے۔

اس بستی کا نام بھٹ شاہ ہے۔ جسے سندھ کے صوفی اور درویش شاعر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے آباد کیا تھا وفات کے بعد ان کا مزار بھی چونکہ اسی بستی میں بنا۔ اس لیے یہ بستی شاہ صاحب کے عقیدت مندوں کی زیارت گاہ بن گئی۔ جن دنوں شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کا عرس ہوتا ہے۔ سندھ کے دور دراز علاقوں سے لوگ یہاں جمع ہوتے اور نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اُن دنوں بھٹ شاہ کی رونق عروج پر ہوتی ہے۔

بستی کے قریب ہی کرار نام کی ایک جھیل ہے جس کا ٹھنڈا میٹھا پانی لوگوں کو فرحت دیتا ہے۔ زائرین اسی جھیل کے آس پاس خیمہ زن ہوتے اور سفر کی کلفت دُور کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب قریباً ۱۱۰۲ھ میں حیدر آباد سندھ کے علاقہ بالا حویلی میں پیدا ہوئے پھر اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ کوٹڑی چلے آئے۔ شاہ صاحب علم و حکمت اور کشف و کرامات کے علاوہ شعر و شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنی سیر و سیاحت کے دوران سندھ کی روحانی داستانوں مثلاً سسی پنوں، عمر ماروی اور موملِ رانو کو بڑے دل نشین اور اثر انگیز پیرایہ میں قلم بند کیا اور ان میں اپنی شاعرانہ حکمت کی روح پھونک کر انہیں زندہ جاوید بنا دیا۔ چنانچہ سندھ

میں یہ داستانیں شاہ عبداللطیف ہی کے حوالے سے پڑھی اور سُنی جاتی ہیں۔

شاہ صاحب کا اصل کام تبلیغ اسلام اور ہدایت پھیلانا تھا۔ چونکہ آپ کی گفتگو میں خدا نے ایک عجیب تاثیر دی تھی۔ اس لیے ہندو اور مسلمان سب آپ کے گرویدہ ہو گئے اور آپ نے ایک عمدہ معاشرے کی بنیاد رکھی۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سندھ کا ایک رئیس میاں نور محمد شاہ صاحب کا بڑا عقیدت مند تھا۔ لیکن اس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ رئیس نے مثنوی مولانا روم کا ایک بہت ہی عمدہ نسخہ منگوا کر شاہ صاحب کی نذر کیا اور اولاد کے لیے دُعا کی درخواست کی۔ شاہ صاحب کو مثنوی سے دلی لگاؤ تھا۔ جب رئیس نور محمد نے یہ نذر پیش کی تو وہ بہت خوش ہوئے اور ان کے حق میں دُعا کرتے ہوئے فرمایا۔

"نور محمد! خدا تجھے نامور بیٹا عطا فرمائے۔"

قدرت حق سے رئیس کے گھر اُسی سال لڑکا پیدا ہوا چونکہ رئیس شاہ صاحب کا عقیدتمند اور غلام تھا۔ لہٰذا بیٹے کا نام اسی غلامی کی نسبت سے "غلام شاہ" رکھا۔ بڑا ہو کر یہ لڑکا شاہ صاحب کے طفیل سندھ کا حکمران بن گیا، لیکن غلام شاہ کے عہدِ حکومت میں شاہ صاحبؒ فوت ہو چکے تھے۔ غلام شاہ نے بھٹ شاہ کے مقام پر ان کا خوبصورت روضہ تعمیر کرایا اور سکھر کے ایک مشہور خطاط و نقاش سے اس روضہ پر نقاشی کرائی جس سے روضہ کی اہمیت میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔

آج کل شاہ عبداللطیف بھٹائی کا یہی مزار ایک بہت بڑا تہذیبی اور ثقافتی مرکز بن چکا ہے۔

⁂

بزرگوں کی ہر بات میں کوئی راز پوشیدہ ہوتا ہے

اولیائے اللہ دراصل ایک ہی باغ کے مختلف رنگوں اور خوشبوؤں کے پھول ہوتے ہیں۔ چنانچہ جو کوئی ان سے کسب فیض کرنے کوشش کرے گا وہ ہر جگہ سے نئی نئی قسم کی چیزیں حاصل کرے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ مولانا فخر الدین صاحب چشتی ؒ اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں ؒ تینوں ایک ہی زمانے میں موجود تھے اور تینوں حضرات کا قیام دہلی میں تھا۔ ایک شخص نے سوچا کہ یہ تینوں بزرگ دہلی میں مقیم ہیں ان کا امتحان لینا چاہیے کہ کس کا مرتبہ کس سے بڑا ہے۔

چنانچہ یہ شخص سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ کے پاس گیا اور کہا حضرت کل نو بجے میرے مکان پر آپ کی دعوت ہے۔ آپ میرے آنے کا انتظار نہ فرمائیں اور براہ کرم نو بجے میرے مکان پر تشریف لے آئیں۔ اس کے بعد یہ شخص مولانا فخر الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ۹½ بجے میرے مکان پر آپ کی دعوت ہے۔ تشریف لائیں اور ماحضر تناول فرمائیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے بھی کہہ دیا کہ میرے آنے کا انتظار نہ کیا جائے اور خود ہی وقت مقررہ پر آجائیں۔

اس کے بعد یہ شخص مرزا مظہر جان جاناں کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے دس بجے رات کا وعدہ لے لیا۔

چنانچہ اگلے روز تینوں حضرات وقت مقررہ پر اس شخص کے ہاں پہنچ گئے۔ اس آدمی نے تینوں کو علیحدہ علیحدہ مکان میں ٹھہرایا اور چونکہ وہ تمام ایک دوسرے سے علیحدہ آئے تھے اس لیے ان کو ایک دوسرے سے بے خبر بھی رکھا۔

ظہر کے وقت تک اس شخص نے ان حضرات کی کچھ خبر نہ لی اور جب چار گھنٹے بعد ان کے پاس آیا تو کہا کہ حضرت گھر میں کچھ تکلیف ہو گئی تھی۔ اس لیے وقت مقررہ پر کھانا نہیں تیار ہو سکا۔ براہِ کرم مجھ سے دو پیسوں کی نذر قبول فرمالیجیے۔

تذکرہ نویس بتاتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے دو پیسے لے لیے اور کوئی تعرض نہ کیا۔ مولانا فخرالدین نے بھی دو پیسے لے لیے اور کہا کہ بھائی تم نے ہم پر بڑا احسان کیا۔ کیونکہ اگر مَیں اتنی دیر مزدوری کرتا تو اتنے پیسے اکٹھے نہ کر سکتا تھا۔

جب اس شخص نے مرزا مظہر جان جاناں کو یہی نذر گذاری تو آپ نے بھی نذر قبول کر لی۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ تو نے خواہ مخواہ اتنا وقت ضائع کر دیا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مکی نے اس واقعہ کو بیان فرمایا اور مولانا فخرالدین کی تعریف کی کہ انہوں نے عاجزی دکھائی کیونکہ ان میں جیثیت کا رنگ غالب تھا۔

اسی واقعہ کو مولانا محمد قاسم نانوتوی نے بیان فرمایا اور شاہ ولی اللہ کی تعریف کی کہ اُن کے نفس کو بالکل کوئی جنبش نہ ہوئی۔

اس واقعہ کو مولانا رشید احمد گنگوہی نے بیان فرمایا اور مرزا مظہر جان جاناں کی تعریف کی کہ انتظام کا تقاضا اسی طرح پورا ہوتا ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کے ہر رنگ میں کوئی نہ کوئی راز ضرور مضمر ہوتا ہے۔

ٌ

کالی دیوی کا طلسم باطل ہوگیا

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی سہروردی وہ صاحب کمال بزرگ تھے۔ جن کے فیض روحانی سے بنگال میں اسلام پھیلا، بنگالی ہندو جوق در جوق مسلمان ہوئے اور وہاں سہروردی سلسلہ مقبول ہوا۔

بنگال کو اسلامی مملکت کے تحت آئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت شیخ جلال الدین بہار کی سیاحت کرتے ہوئے بنگال میں وارد ہوئے اور پنڈوہ کے مشہور قصبہ میں قیام فرمایا۔ جہاں کالی دیوی کا میلہ لگتا تھا۔ تغلق کے عہد میں مشہور سیاح ابن بطوطہ بھی بنگال میں آیا اور حضرت شیخ جلال الدین سے ملا۔ وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔

قصبہ پنڈوہ میں بنگالی ہندوؤں کا ایک مشہور مندر تھا جہاں کالی دیوی کی پوجا ہوتی تھی اور اس کی زیارت کے لیے لوگ دور دور سے آتے تھے۔ ہر وقت ایک میلہ سا لگا رہتا تھا۔ اس بت خانے کی وجہ سے سارے بنگال میں پنڈوہ کی شہرت تھی۔ قصبہ میں جگہ جگہ مندر تھے۔ جہاں بتوں کی پوجا ہوتی اور پجاریوں کی ریل پیل رہتی تھی، کسی مسلمان میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ پنڈوہ کے قصبہ میں قدم بھی رکھ جائے۔ مگر جب حضرت شیخ جلال الدین بنگال میں وارد ہوئے تو سیدھے اسی قصبے میں پہنچے آپ بالکل تنہا تھے۔ پنڈوہ میں آکر ایک تناور درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور وہیں ڈیرہ لگا لیا۔ رات کو زمین پر سو جاتے، گھاس پات کھا کر گزارہ کرتے، کپڑے میلے ہو جاتے تو خود دھو لیتے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے تھے۔ جب پجاریوں کو آپ کی آمد کا پتہ چلا تو پنڈوہ میں ایک شور

مچ گیا۔ ہندوؤں اپنے روایتی تعصب کے پیش نظر حضرت کو وہاں سے نکالنے کی تدبیریں شروع کر دیں اور آپ کو طرح طرح کی ایذائیں دینے لگے۔ لیکن آپ تو محبت اور پیار کا سرچشمہ تھے۔ جو ہندو آپ کو تکلیف دیتا۔ آپ اس کے ساتھ بھی نرمی اور محبت کا برتاؤ کرتے اور جب اس پر روحانی توجہ فرماتے تو وہ فوراً آپ کا حلقہ بگوش ہو جاتا تھا۔

حضرت جلال الدین کی نیکی پارسائی اور باطنی توجہ سے ہندو جوق در جوق ان کے پاس آگئے اور اسلام قبول کرنے لگے۔ آپ کی روحانیت کے سامنے کالی دیوی کا طلسم بکھرنے لگا۔ پجاریوں میں ایک تہلکہ سا مچ گیا۔ انہوں نے حضرت سے مقابلہ کی کوشش کی لیکن عجیب بات یہ تھی کہ جو شخص آپ کی محفل میں شریک ہو جاتا اور باتیں سن لیتا۔ اس کی دنیا ہی بدل جاتی تھی۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے پنڈوہ کے سب لوگ اور پجاری خدائے واحد پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے۔ حتیٰ کہ بنگالیوں نے جو کالی دیوی کو سجدے کیا کرتے تھے۔ کالی دیوی کا عظیم الشان مندر اور بت خانہ مسمار کر دیا۔

وہی پنڈوہ جہاں مندر ہی مندر تھے۔ صبح و شام ناقوس بجتے اور پجاری کالی دیوی کے گیت گایا کرتے تھے۔ ایک اسلامی قصبہ بن گیا۔ اب وہاں پانچ وقت اذان گونجتی اور نماز ادا ہوتی تھی جہاں پہلے مندروں کی کثرت تھی۔ وہاں اب مسجدیں تعمیر ہو گئی تھیں اور یہ سب کچھ حضرت شیخ جلال الدین سہروردیؒ کے فیوض و برکات کا کرشمہ تھا۔

ابن بطوطہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد بنگال میں بڑی تیزی کے ساتھ اسلام پھیلتا چلا گیا۔

٭

وہ ایک پل میں کابل سے لاہور پہنچ گئی

حاجی محمد سعید کا نام اہل ولایت میں توکل اور توجہ کے سلسلے میں شہرت رکھتا ہے۔ وہ مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی کے عہد میں گزرے ہیں۔ طریقہ قادریہ کی خلافت انہیں محمود بن سید علی حسینی کردی سے مدینہ منورہ میں ملی تھی، جہاں انہوں نے محمود کی بیعت کی تھی۔

جب احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر چڑھائی کی اُس وقت حاجی محمد لاہور میں مقیم تھے۔ ابدالی کے لشکر کا خوف کچھ ایسا طاری ہوا کہ لاہور کے باشندے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مگر لکھی محلہ کے لوگوں کو حاجی محمد نے بلا کر ہدایت کر دی کہ وہ نہ بھاگیں۔ بلکہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں ان کے لیے امان ہے۔ اس ہدایت کے مطابق لکھی محلہ کے لوگ بے فکر ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے۔

"حدیقۃ اولیا"، کا بیان ہے جب ابدالی شاہدرہ کے مقام پر اُترا تو اُس نے لاہور کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور یہ بھی پوچھا کہ اس شہر میں کوئی بزرگ بھی ہیں۔ لوگوں نے حاجی محمد سعید کا نام لیا۔ احمد شاہ ابدالی اُن کے پاس پہنچا اور حلقہ بگوش ارادت ہوا۔

اس طرح وہ لوگ محفوظ رہے۔ جنہیں حاجی صاحب نے امان دی تھی لیکن کچھ عرصے کے بعد ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے شکایت کی کہ احمد شاہ کا ایک امیر میری بیٹی کو زبردستی اپنی کنیز بنا کر ساتھ لے گیا تھا اور میں اس کے لیے سخت پریشان اور دکھی ہوں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اُس شخص کا لکھی محلے سے کوئی تعلق نہ تھا اور وہ محض یہ خبر سُن کر حاجی محمد کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کو اُن سے ارادت ہے۔

ایک جوان بیٹی کے باپ کی پریشانی کا قصہ سن کر آپ بڑے متاثر ہوئے۔ چند ساعت خاموش رہنے کے بعد انھوں نے سائل کو تسلّی دی اور کہا کہ وہ پریشان نہ ہو۔ اللہ نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا پھر اُسے حکم دیا کہ اپنی آنکھیں بند کرے۔

جب اُس نے آنکھیں بند کر لیں تو کیا دیکھتا ہے کہ اُس کی بیٹی جسے ابدالی کا امیر زبردستی ساتھ لے گیا تھا۔ اُس کے سامنے کھڑی ہے اُس نے فرطِ محبت سے پوچھا۔

"بیٹی —! تجھ پر کیا مصیبت گزری!

لڑکی نے بتایا جو امیر مجھے لاہور سے کابل لے گیا تھا۔ اُس نے مجھے اپنی کنیز بنا لیا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے مَیں بازار میں تیل لینے آئی تھی کہ ایک بزرگ نے مجھے سرِ بازار روک لیا اور کہا کہ اپنی آنکھیں بند کر لے۔ جب مَیں نے آنکھیں بند کر لیں تو نجانے کیا ہوا۔ مجھے کون اُٹھا لایا اور مَیں کیسے آپ کے پاس پہنچ گئی۔

لڑکی کا باپ یہ کہانی سُن کر بہت حیران ہوا۔

اس اثنا میں حاجی نے سائل سے کہا کہ اب وہ آنکھیں کھول دے۔ جب اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اُس کی بیٹی سچ مچ اُس کے پاس سامنے کھڑی تھی۔ اس کرامت کو دیکھ کر وہ دم بخود رہ گیا۔

لڑکی نے جب حاجی صاحب کی طرف دیکھا تو بولی۔

"یہ وہی بزرگ تو ہیں جو تھوڑی دیر پہلے مجھے کابل کے بازار میں ملے اور میرا راستہ روک کر بولے تھے کہ اپنی آنکھیں بند کر لوں اب میرے ساتھ یہ بھی یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

اس واقعے کے بعد دونوں باپ بیٹی حاجی صاحب کے مرید ہو گئے۔

○

خصوصی تتمہ

ذِکر
جُنیدؒ اور شبلیؒ کا
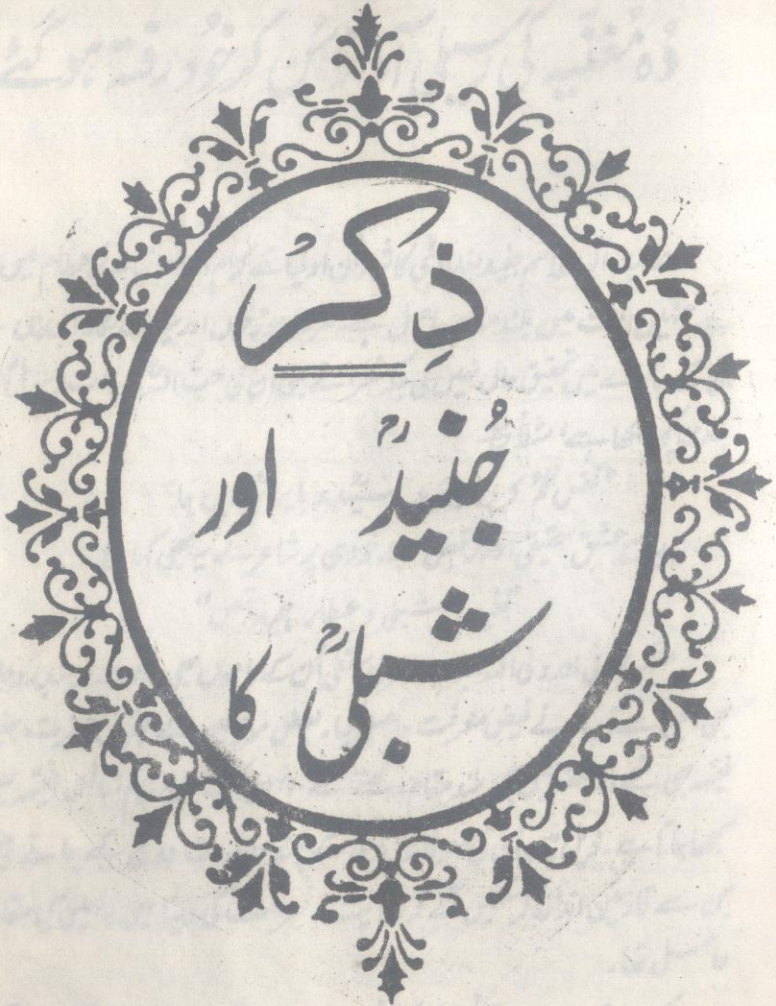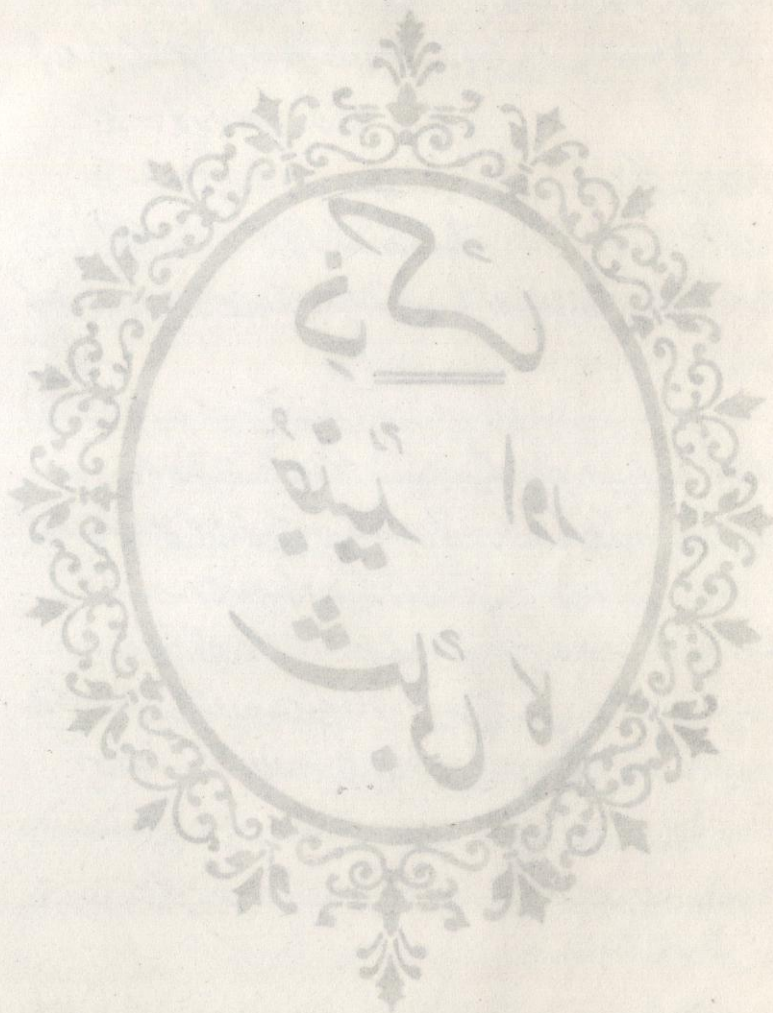
وہ مُغنّیہ کی رسیلی آواز سُن کر خود رقتہ ہو گئے

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کا شمار اُن اولیائے کرام اور صوفیائے عظام میں ہوتا ہے جنہیں امت میں بلند مقام حاصل ہے۔ صرف مورخوں اور سیرت نگاروں ہی نے ان کے بارے میں تحقیق حال نہیں کی بلکہ شعرائے بھی ان کی حبِ اللہ اور حبِ رسولؐ پر بہت کچھ لکھا ہے، مثلاً ع

"نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا"

ان کے عشقِ حقیقی اور رقص بے خودی پر شاعر نے یہ بھی کہا ع

"جنید و شبلی و عطار ہم رقص"

مشہور صوفی اور ولی اللہ جنابِ سری سقطیؒ اُن کے ماموں بھی تھے اور مرشدِ رُوحانی بھی۔ جن سے آپ نے فیضِ معرفت حاصل کیا۔ بعض مورخین کے بقول حضرت جنیدؒ فقیہہ بھی تھے اور فقہ میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ انہیں ایک بلند مقام شافعی فقیہہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ ذیل میں اُن کی معرفانہ زندگی کے چند واقعات درج کیے جاتے ہیں۔ جن سے قارئین اندازہ کر سکیں گے کہ ولایت و معرفت کی دنیا میں انہیں کیا مقام حاصل تھا۔

ایک مرتبہ حضرت جنیدؒ بغداد کے اُس بازار سے گزرے، جہاں فرامین کے کاغذات فروخت ہوتے تھے۔ کسی مکان سے گانے کی آواز آ رہی تھی اور کوئی مغنّیہ

بڑی مترنم اور پرکشش آواز میں گا رہی تھی ؎

اِذَا قُلْتُ اَهْدَى الْهَجْرُ لِي حُلَلَ الْبَلاءِ
تَقُوْلُ لَئِنْ لَوْلَا الْهَجْرُ لَمْ يَطِبِ الْحُبُّ

(جب میں کہتا ہوں ہجر نے مجھے مصیبت کے خلعت عطا کیے ہیں،
تو وہ جواب دیتی ہے۔ اگر ہجر نہ ہوتا تو محبت میں مزا نہ تھا)

وَاِذْ قُلْتُ هٰذَا الْقَلْبَ اَحْرَقَهُ الْهَوٰى
تَقُوْلُ بِنِيْرَانِ الْهَوٰى شَرُفَ الْقَلْبُ

(اور اگر میں کہتا ہوں آتش عشق نے دل کو پھونک ڈالا ہے
تو وہ جواب دیتی ہے کہ آتش عشق ہی تو دل کا شرف ہے)

وَاِذْ قُلْتُ مَا ذَنْبِيْ قَالَتْ مُجِيْبَةً
حَيَاتُكَ ذَنْبٌ لَا يُقَاسُ بِهٖ ذَنْبٌ

(اور جب میں کہتا ہوں۔ میں نے کیا گناہ کیا ہے، تو جواب دیتی ہے،
تیری زندگی خود اتنا بڑا گناہ ہے کہ کوئی گناہ اس کے برابر نہیں)

مغنّیہ کے گانے اور سُریلی آواز کو سُن کر بہت سے راہ گیر راستے میں کھڑے ہو گئے اور "واہ واہ" کرنے لگے لیکن ایک شخص پر گانے کا اس قدر گہرا اثر ہوا کہ اس نے نعرۂ حق مارا اور اس مکان کے دروازے پر (جس کے اندر سے گانے کی آواز آ رہی تھی) کھڑے ہو کر حالتِ وجد میں جھُومنے لگا۔

اس کے نعرۂ مستانہ کی آواز سُن کر بہت سے راہ گیر ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے اور جو لوگ پہلے سے موجود تھے' اس آدمی کو چشمِ حیرت سے دیکھنے لگے کہ یہ کوئی مغنّیہ کا عاشقِ شیدا معلوم ہوتا ہے۔ مکان کے باہر بھیڑ لگ گئی تھی اور لوگ اس آدمی سے اظہارِ ہمدردی کرنے لگے۔ اتنے میں مکان کا مالک بھی لوگوں کی آوازیں سُن کر باہر نکل آیا اور گھبرا کے پُوچھا۔

"کیا ہوا؟"

وہی آدمی جس نے نعرۂ مستانہ بلند کیا تھا اور از خود رفتہ ہو رہا تھا، کہنے لگا۔ "مجھے گانے اور گانے والی کی آواز نے بے کل کر دیا ہے۔"

آواز میں بڑا درد اور انکسار تھا۔ مالکِ مکان نے غور سے دیکھا تو اس آدمی نے اپنے دل کی کیفیت بڑے پُردرد پیرائے میں بیان کی تھی جس پر یہ کیفیت گزر گئی۔ بڑا شریف، نیک سیرت اور پاک باطن نظر آتا تھا مالکِ مکان نے بتایا۔

"حضرت! گھر میں میری لونڈی گا رہی تھی اور اسی کی آواز سن کر آپ اس طرح دل رفتہ و دل بستہ ہو گئے۔"

یہ کہہ کر مکان کے اندر گیا اور جب باہر آیا تو ساتھ ایک نوجوان اور خوش شکل لونڈی تھی۔ اس نے لونڈی کا ہاتھ اس خود رفتہ آدمی کے ہاتھ میں دے دیا اور بولا:

"حضرت! اب یہ لونڈی آپ کی نذر ہے، آپ کو اختیار ہے، اسے یونہی اپنے تصرف میں لائیے۔ یا آزاد کر کے نکاح پڑھا لیجئے۔"

جب لونڈی خود رفتہ آدمی کے اختیار میں آ گئی تو اسی وقت باآوازِ بلند اس کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اس وقت لوگوں نے پہچان لیا کہ وہ حضرت جنید بغدادیؒ تھے۔ ان کے ہمراہ خانقاہ کا ایک ہم مذاق ساتھی اور دوست بھی تھا، اسی وقت اور اسی جگہ اس کا نکاح لونڈی سے کر دیا اور خود "حق اللہ" کا ورد کرتے آگے بڑھ گئے۔

کہتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ اس نغمۂ دلکش کو گایا کرتے تھے۔ لونڈی کی جادو بھری آواز اور رسیلی تان نے انہیں گھائل کر دیا تھا اور اسی سچی لگن نے اُنہیں ولیٔ کامل بنا دیا۔

اُدھر اس لونڈی کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوا۔ وہ بھی بڑا صاحبِ کمال اور عاشقِ دین ثابت ہوا۔ اس نے تیس (۳۰) حج پاپیادہ کیے۔

وہ قرآن کی آیت سُن کر ہوش میں آگیا

ایک دن حضرت جنید بغدادیؒ اپنے ماموں اور مُرشد سری سقطیؒ کے ہاں گئے اور ان کی خدمت میں چار درہم پیش کیے، انہوں نے حیرت سے حضرت جنیدؒ کی طرف دیکھا تو کہا: "میں یہ چار درہم آپ کی نذر کرتا ہوں۔"

یہ سُن کر سری سقطیؒ بے حد خوش ہوئے اور فرمایا: "اے جوان! تجھے آخرت میں فلاح حاصل کرنے کی بشارت ہو۔"

اب حضرت جنیدؒ نے اپنے مُرشد کی جانب تعجب سے دیکھا تو انہوں نے جواب دیا: "اس وقت مجھے چار ہی درہم کی شدید ضرورت تھی اور میں رب العزت کے حضور دُعا مانگ رہا تھا کہ یہ چار درہم مجھے ایسے آدمی سے دلا جو تیرے حضور آخرت میں فلاح پانے والا ہو۔ سو اللہ نے میری ضرورت تیرے ذریعے پوری کی اور فلاحِ اُخروی حاصل کرنے والا ٹھہرا۔"

حضرت جنیدؒ یہ سُن کر خوش ہوئے۔

اسی طرح حضرت جنیدؒ ایک دن اپنے مُرشد کے پاس گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی اُن کے پاس بے ہوش پڑا ہے۔ جنیدؒ نے پُوچھا: "حضرت! اسے کیا ہوا؟"

سری سقطیؒ بتانے لگے: "اس نے قرآن کی ایک آیت سُنی تھی۔ بس اُس آیت کے سُنتے ہی یہ از خود رفتہ ہو کر بے ہوش ہو گیا۔"

حضرت جنیدؒ نے کہا۔ "تو پھر وہی آیت دوبارہ پڑھیے۔ اسے ہوش آجائیگا۔"
سری سقطیؒ نے وہی آیت دوبارہ پڑھی تو واقعی جیسے جنیدؒ نے کہا تھا، ظہور میں آگیا اور بے ہوش آدمی کو ہوش آگیا۔ مرشد نے حضرت جنیدؒ کی طرف دیکھا، اور پوچھا: "تمہیں یہ تدبیر کیسے معلوم ہوئی؟"

انہوں نے جواب دیا "حضرت یوسفؑ کے کرتے سے، حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں اور اسی کرتے سے اچھی ہوگئی تھیں۔ یہ آدمی بھی قرآن کی جس آیت کو سن کر بے ہوش ہوگیا تھا۔ اسی آیت کو سن کر ہوش میں آگیا۔"

بے حس لوگ پتھر کا طواف کرتے ہیں

حضرت جنید بغدادیؒ ایک مرتبہ حج کرنے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے۔ رات کو اکیلے ہی خانہ کعبہ کا طواف کرنے چلے گئے۔ رات کے اندھیرے میں وہاں ایک عورت بھی طواف کر رہی اور ساتھ ساتھ عشقیہ اشعار بھی پڑھتی جاتی تھی، حضرت جنیدؒ اس عورت کے قریب چلے گئے اور بولے:

"حرمِ مقدس میں عاشقانہ اشعار پڑھنا اور ناپاک خواہشیں کرنا قابلِ شرم بات ہے۔"

عورت پر اُن کی بات کا اُلٹا اثر ہوا اور اس نے جذباتِ محبت کے ضمن میں عُذر پیش کرتے ہوئے چند مزید عاشقانہ اشعار پڑھ کر سُنا دیے اور جب اپنے مخاطب کو حیرت زدہ دیکھا تو پُوچھنے لگی۔

"تم خدا کا طواف کرتے ہو یا خانۂ خدا کا؟"

جنید بغدادیؒ نے جواب دیا۔ "خانہ خدا کا۔"

یہ سُننا تھا کہ عورت نے آسمان کی طرف سر اُٹھایا اور بڑے پُر جوش الفاظ میں خدا سے مخاطب ہو کر بولی۔

"سبحان اللہ! تیری مخلوق میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو پتھر کی طرح بے حس ہیں اور پتھر کے گرد طواف کرتے ہیں۔"

یافعیؒ "روض الریاحین" میں لکھتے ہیں کہ عورت کی زبان سے یہ فقرے سُن کر جنیدؒ پر نہ صرف وجد کی کیفیت طاری ہو گئی بلکہ وہ دنیا اور دنیا کی ہر شے سے بے خبر ہو گئے اور ان کے ہوش جاتے رہے۔ اس نامعلوم عورت نے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی، جس نے جنید بغدادیؒ جیسے عارف باللہ پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔ جب وہ ہوش میں آئے تو عورت طواف کر کے جا چکی تھی مگر وہ ایک عارف باللہ کو توحید اور معرفت کا ایسا درس دے گئی، جسے حضرت جنیدؒ کبھی فراموش نہ کر سکے۔

نامعلوم عورت نے کعبہ کے بارے میں جو کچھ کہہ دیا تھا۔ اُس پر امیرالمومنین حضرت عمرؓ فاروق کا واقعہ یاد آ جاتا ہے۔ حج کے موقع پر ایک بار طوافِ کعبہ کے دوران حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا تھا: "بخدا! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔ آخر تو ایک پتھر کا ٹکڑا ہی تو ہے۔" (الفاروق)

حرم بیت اللہ میں دراصل حجرِ اسود ہی کا طواف کیا جاتا ہے، جو خانہ کعبہ کے اندر رکھا ہے۔ اسی نسبت سے اس نامعلوم عورت نے جو طواف کے دوران عاشقانہ اشعار پڑھ رہی تھی۔ جنید بغدادیؒ سے پوچھا تھا۔ "تم خدا کا طواف کرتے ہو یا خانہ خدا کا؟"

جب انہوں نے خانۂ خدا کا نام لیا تو عورت نے اُسے "پتھر" اور جنید بغدادیؒ کو پتھر کی طرح "بے حس" قرار دیا تھا۔ انہی چند الفاظ میں توحید و معرفت کا ایسا نکتہ پنہاں تھا جس نے اُن پر حیرت کا سکتہ طاری کر دیا اور وہ ہوش کھو بیٹھے۔

انہوں نے پھونک ماری اور کنیز مرگئی

عباسیہ کا وہ دور ایسا تھا جہاں اعیانِ سلطنت اور امرا اور رؤسا ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ وہاں علمائے ظاہر بھی صوفیوں اور اہلِ باطن کی مخالفت پر کمربستہ تھے۔ باطنیوں کے خلاف تو مذہبی اور سیاسی عذر بھی پیش کیے جاتے تھے۔ چنانچہ حسین بن منصور حلاّج کو اسی زمانے میں پھانسی دی گئی تھی کہ معترضین کے نزدیک انہوں نے "انا الحق" کہہ کر خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ حسین بن منصور حلاّج کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ نہ صرف باطنی بلکہ فرقہ قرامطہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جس نے عباسیوں کے خلاف خروج کیا تھا۔

دربارِ خلافت میں صوفیوں اور اہلِ خرقہ کی اکثر شکایات ہوا کرتی تھیں کہ یہ لوگ دین میں نیا فتنہ پیدا کر رہے ہیں۔ جنید بغدادیؒ کے بارے میں بھی کئی بار شکایت کی گئی کہ وہ قانونِ حکومت میں مداخلت کے مرتکب ہوتے ہیں —— لہٰذا انہیں وعظ و طریقت سے روکا جائے لیکن خلیفہ جانتا تھا کہ کسی شرعی اور قطعی حجت کے بغیر جنیدؒ کو روکنا ممکن نہیں الاّ یہ کہ ان سے کوئی غلطی کوئی لغزش سرزد ہو اور اس کی پاداش میں پکڑ لیا جائے۔

اہلِ دربار بالخصوص تصوّف و طریقت کے مخالفین اس تاک میں رہتے تھے کہ جنیدؒ کی کوئی لغزش پکڑی جائے۔ "تذکرۃ الاولیا" کے مطابق ایک حسینہ و جمیلہ کنیز جس کا حُسن بڑے بڑے زاہدانِ مرتاض کو متزلزل کر سکتا تھا۔ ایک سازش کے تحت حضرت جنیدؒ کے پاس

بھیجی گئی۔ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بڑے حیلہ و مکر سے کہنے لگی۔
"حضرت، میں آپ کے پاس رہ کر خدا کی عبادت کرنا چاہتی ہوں تاکہ بخشش اور مراد کو پہنچوں، لہٰذا لونڈی کو اپنی صحبت میں رہنے اور خدمت کرنے کی اجازت دی جائے۔"
جنیدؒ سر جھکائے آنکھیں نیچی کیے اس حسین قتالہ کی گفتگو سنتے رہے۔ جب وہ سب کچھ کہہ چکی جو اسے کہنا تھا تو حضرت نے بڑے اضطراب کی حالت میں ایک آہ بھری، سر اٹھایا اور اس پر پھونک ماری۔
کہتے ہیں، جب ان کے سانس کی ہوا کنیز کے جسم کو لگی تو اسی وقت بے ہوش ہو کر گری اور وہیں تڑپ تڑپ کر ختم ہو گئی۔ لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔ بات خلیفہ تک پہنچی، جو یہ واقعہ سن کر بے حد پریشان ہوا اور گھبرایا ہوا حضرت کے پاس پہنچا، پھر کہنے لگا۔
"افسوس آپ نے کیا غضب ڈھایا کہ ایک پری جمال حسینہ کو ہلاک کر دیا اور آپ کو ایسی حسین مجسمہ پر بھی ترس نہ آیا!"
حضرت جنیدؒ نے عباسی خلیفہ کی طرف دیکھا اور جواب دیا:
"امیر المومنین! اہلِ ایمان کے حال پر ایسی بے رحمی اچھی نہیں کہ انہیں دنیاوی خواہشات کے امتحان میں ڈالا جائے۔ آپ چاہتے تھے کہ میری چالیس برس کی عبادت ریاضت اور نفس کشی کو ایک پل میں جلا کر خاک کر دیں، جس کے لیے آپ نے کوشش کی تھی۔ رہا اس کنیز کی زندگی اور موت کا معاملہ تو یہ امر اللہ کے اختیار میں ہے۔"
"تذکرۃ الاولیا" کے مصنف کے نزدیک حضرت جنیدؒ کے جواب سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اُن کے زہد و تقویٰ اور ریاضت و معرفت کے خلاف حسن پرور فتنہ کی جو سازش کی گئی، اس میں عباسی خلیفہ بھی شریک تھا، جس نے کوشش کی تھی کہ جنیدؒ جیسا عارف اور صوفی ایک حسین لونڈی کے دامِ تزویر میں پھنس کر اُسے اپنی صحبت میں رہنے کی اجازت دے اور لوگوں کو تہمت لگانے کا موقع مل سکے لیکن اسی وقت ایک کرامت ظہور میں آئی اور پری جمال نازنین جو ایک ولی اللہ کو گمراہ کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی کہ اُن کی بدنامی اور رسوائی کا ذریعہ بنے۔ ان کے ایک سانس کی ہوا برداشت

نہ کرسکی اور وہیں ختم ہوئی۔

موت و حیات چونکہ اللہ کے اختیار میں ہے، اسی لیے حضرت جنیدؒ نے لونڈی کی موت کو امرِ الٰہی قرار دیا۔

ابنِ جوزی اور علامہ ابنِ ندیم کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ معتضد باللہ کا غلام خلیل (اصل نام عبداللہ بن احمد باہلی) صوفیوں کے سخت خلاف تھا اور اسی نے خلیفہ سے شکایت کی تھی کہ وہ زندیق ہیں اور لوگوں کو خراب کر رہے ہیں۔

اس ضمن میں علامہ شعرانی نے "طبقات الکبریٰ" میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ اس دور میں شراب عام ہوگئی تھی۔ ایک روز کچھ لوگ شراب کے مٹکے لیے جا رہے تھے کہ ایک صوفی ابوالحسین احمد بن محمد نوری نے دیکھ لیا اور اسلامی جوش میں شراب کے مٹکے توڑ دیے، جس پر ایک ہنگامہ بپا ہوگیا اور لوگ انہیں پکڑ کر خلیفہ معتضد کے دربار میں لے گئے۔

علامہ شعرانی لکھتے ہیں کہ خلیفہ معتضد بڑا سخت مزاج آدمی تھا جو بات بعد میں کرتا اور گالی پہلے دیتا تھا۔ اُس نے ابوالحسین نوری کو بھی بُرا بھلا کہا اور پوچھا: "تو کون ہے؟"

ابوالحسین نوری نے جواب دیا: "میں محتسب ہوں۔"

خلیفہ نے دریافت کیا: "تجھے محتسب کس نے مقرر کیا ہے؟"

نوری نے برجستہ کہا: "جس نے تجھے خلیفہ بنایا ہے۔"

یہ جواب سُن کر معتضد آگ بگولا ہوگیا اور عراق میں رہنے والے تمام صوفیا کی گرفتاری کا حکم جاری کردیا حتیٰ کہ ان کے دوست احباب بھی پکڑ لیے گئے۔

بعض لوگوں کے نزدیک جن میں مولانا عبدالحلیم شررؔ بھی شامل ہیں، خلیفہ معتضد بڑا محتاط اور پابندِ شرع آدمی تھا مگر ثقہ مؤرخین (طبری، ابنِ اثیر، ابنِ خلدون، ابن جوزی وغیرہ) اس امر پر متفق ہیں کہ معتضد ایک سخت گیر اور بڑا جابر حکمران تھا، جو اپنی مخالفت ہرگز برداشت نہ کرسکتا تھا۔ چنانچہ جب قرامطہ کے ایک سردار نے اس کے دربار میں حضرت عباسؓ کے متعلق یہ بات بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا لیا - حالانکہ حضرت عباسؓ زندہ تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ نامزد کر گئے اور حضرت عباسؓ اس وقت بھی زندہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت سے قبل خلیفہ مقرر کرنے کے لیے چھ اصحاب پر مشتمل جو کمیٹی قائم کی، اس میں حضرت عباسؓ کو شامل نہیں کیا تھا اور اس کمیٹی نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا تھا، حالانکہ حضرت عباسؓ اس وقت بھی زندہ تھے - گویا حضرت عباسؓ کو کبھی خلیفہ مقرر نہ کیا گیا بلکہ انہیں یہ حق بھی نہیں تھا کہ وہ خلیفہ منتخب کرنے والی کمیٹی کے رکن ہی بن سکتے - پھر بنی عباس خلافت پر کس رُو سے قابض ہو گئے؟ عباسی خلیفہ معتضد نے قرمطی سردار کے سوال کا جواب تلوار سے دیا اور سرِ دربار اس کی کھال کھنچوادی تھی - یہ فعل بڑا ہی ظالمانہ اور خلافِ انسانیت تھا۔ حضرت جنیدؒ اس دور میں خود کو فقیہہ ظاہر کر کے گرفتاری سے بچ گئے تھے۔

اُجڑا مکان درسِ عبرت بن گیا

جنید بغدادیؒ نے متعدد سفر کیے۔ ایک بار کوفہ سے گزرے۔ شہر کے کوچہ و بازار میں گھومتے رہے۔ کوفہ تاریخی حیثیت کا حامل اور بہت سے تاریخی واقعات کا شاہد ہے۔ چلتے پھرتے شہر کے ایک معزز رئیس کی حویلی میں بڑی رونق اور چہل پہل نظر آئی، وہاں غلاموں اور خادموں کی بھیڑ تھی، دولت و راحت کے سامان فراہم تھے۔ ایک ہنگامہ عیش برپا تھا اور اس عالی شان مکان کے جھروکے میں بیٹھی ایک خوش آواز عورت یہ اشعار گا رہی تھی ؎

اَلَا یَا دَارُ لَا یَدْ خُلُکَ حُزْنٌ

اے مکان! تیرے اندر غم کبھی داخل نہ ہو۔

وَلَا یَعْبَثْ بِہٖ سَاکِنُکَ الزَّمَانُ

اور نہ ہی تیرے ساکنوں کے ساتھ زمانہ کوئی شوخی کرے۔

نَنِعْمَ الدَّارُ اَنْتَ لِکُلِّ ضَیْفٍ

ہر مہمان کے لیے تو کتنا اچھا گھر ہے

اِذَا مَا الضَّیْفُ اَعْوَزَہُ الْمَکَانُ

خاص طور سے جب مہمان بے خانماں اور بے گھر ہو۔

حضرت جنیدؒ اس عالی شان مکان کے مکینوں کی خوش حالی، چہل پہل اور ان اشعار

سے بھی بے حد متاثر ہوئے، جو اس خوش گلو عورت نے گائے تھے۔ وہ کوفہ میں قیام کر کے آگے بڑھ گئے۔ پھر ایک عرصہ دراز کے بعد وہاں آئے اور اتفاق سے اسی کوچے میں گئے۔ جہاں وہ عالی شان مکان واقع تھا مگر اب جو آنکھ اٹھائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ مکان تباہ حال ہو رہا ہے۔ در و دیوار کہنہ و خستہ ہو کر سیاہ پڑ گئے ہیں۔ ہر طرف غربت، مفلسی، نحوست اور نکبت برس رہی ہے اور ہاتفِ غیب کے مطابق گویا اس کی ویرانی و بربادی کا یہ نقشہ تھا۔

ذَهَبَتْ مَحَاسِنُهَا وَبَانَ شُجُونُهَا

اُس کی خوبیاں جاتی رہیں اور شاخوں کی طرح غم ظاہر ہو گئے

وَالدَّهْرُ لَا يُبْقِيْ مَكَانًا سَالِمًا

اور زمانہ کسی مکان کو صحیح سلامت نہیں چھوڑے گا

فَاسْتَبْدَلَتْ مِنْ اُنْسِهَا بِتَوَحُّشٍ

پس اس کی محبت کو وحشت سے بدل دیا

وَمِنَ السُّرُوْرِ بِهَا عَزَاءً رَاغِمًا

اور خوشی کی جگہ وہاں ماتم بپا کر دیا۔

مکان کی تباہی و بربادی کا منظر دیکھ کر جنید بغدادیؒ حیران و ششدر رہ گئے، اڑوس پڑوس والوں سے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ مکان کا مالک فوت ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی سب کچھ جاتا رہا۔

جنیدؒ اس اطلاع سے مطمئن نہ ہوئے، بے چین ہو کر آگے بڑھے اور مکان کے دروازے پر دستک دی۔ نحیف و کمزور آواز میں کسی عورت نے پوچھا۔

"کون ہے؟"

انہوں نے عورت کو قریب بلایا اور دریافت کیا" اس مکان کی شان و شوکت کیا ہوئی، وہ چاند سورج (دلربا)، اور آنے جانے والے کہاں چلے گئے؟"

یہ سوال سن کر عورت بے اختیار رونے لگی۔ اس نے بتایا "وہ سب کچھ عارضی تھا

حضرت! جو شے جہاں سے آئی تھی، وہیں چلی گئی"۔

جنیدؒ نے کہا: "جب میں پہلی بار یہاں سے گزرا تھا تو ایک عورت کو جھروکے میں بیٹھے کچھ شعر پڑھتے سنا تھا"

پھر انہوں نے دو شعر پڑھ کے سنائے جو یاد تھے۔ اس کے ساتھ ہی ایک نسوانی آہ سنائی دی اور وہ عورت کہنے لگے۔

"واللہ! وہ عورت میں ہی ہوں اور آپ نے میری ہی زبان سے شعر سنے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو کوئی دنیا پر گھمنڈ کرتا ہے۔ اس کے حال پر افسوس ہی کرنا چاہیئے"۔

وہ تعجب سے بولے: "پھر تم اس ویران اور اجاڑ مکان میں کیوں رہتی ہو؟"

عورت کہنے لگی: "حضرت! آپ نے کتنے بڑے ظلم کی بات کی ہے۔ کیا یہ مکان پیاروں اور دوستوں کا نہیں، اور کیا اچھے دنوں کی یادگار نہیں؟"

پھر اس نے اس قسم کے شعر پڑھے ؎

مَنَازِلُ الحِبِّ فِی قَلبِیْ مُعَظَّمَۃٌ

میرا دل مقاماتِ محبت کی تعظیم کرتا ہے۔

ذان خلا من نعیم الوصلِ منزلھا

اگرچہ ان کے کمرے وصال کی نعمت سے محروم ہو گئے

عورت کی اس اجاڑ مکان سے محبت اور تعلقِ خاطر کا ذکر سن کر جہاں کبھی اس کے دوست اور پیارے رہتے تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کو عبرت و بصیرت کا ایک نیا مضمون نصیب ہوا اور انہیں پتہ چلا کہ گو لوگ مر جاتے، مکان ویران و سنسان ہو جاتے ہیں اور عیش و عشرت کا دور قصۂ ماضی بن جاتا ہے۔ لیکن اُن چیزوں کی یاد بہر حال باقی رہ جاتی ہے اور جو افراد محبت میں سچے ہوتے ہیں۔ وہ ان کی یادیں اپنے دلوں میں بسائے رکھتے ہیں۔

یہ دنیا کی زندگی کا ایک ایسا نقشہ ہے، جو اہلِ معرفت کو عشقِ حقیقی کا راستہ دکھاتا ہے۔

طویل سفر میں ایک درہم خرچ نہ ہو سکا

"تذکرۃ الاولیاؒ" میں ایک حکایت درج ہے کہ ابوعمر زجاجیؒ حضرت جنید بغدادیؒ کا مرید و معتقد تھا۔ جب بغرض حج حجاز العرب کی طرف روانہ ہوا تو روانگی سے قبل اپنے مُرشد کی خدمت میں رخصت ہونے کے لیے آیا۔ ابوعمر زجاجیؒ کی مالی حالت کچھ اچھی نہیں تھی۔ حضرت جنیدؒ نے انہیں اذنِ رخصت دیتے ہُوئے ایک درہم عطا کیا جو حق حلال کی کمائی کا تھا اور تاکید کی: "اس درہم کو حفاظت سے رکھنا۔"

ابوعمر زجاجیؒ نے حضرت کا دیا ہوا درہم بحفاظت اپنی کمر میں باندھ لیا اور عازم سفر ہوا۔ راستے میں اس کا جہاں سے بھی گُزر ہوا۔ لوگوں نے خوب آؤ بھگت کی، اور مہمان نوازی کا حق ادا کیا بلکہ مہمان نوازی کا سلسلہ کچھ ایسا دراز ہوا کہ حج پر جاتے اور حج سے واپس آتے وقت بھی ہر جگہ اس کی خاطر مدارات ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ سفر میں اُس ایک درہم کے خرچ کرنے کی بھی نوبت نہ آئی جو حضرت جنیدؒ نے اسے دیا تھا۔

بغداد واپسی پر وہ حضرت کی خدمت میں آیا تو اُنھوں نے ملتے ہی اپنا ہاتھ ابوعمر زجاجیؒ کی طرف بڑھایا اور بولے:

"لاؤ میرا وہ درہم مجھے لوٹا دو، جو تمہیں حج پر جانے سے پہلے دیا تھا۔"

زجاجیؒ نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر وہ درہم نکالا اور مُرشد کے ہاتھ پر رکھ دیا، جس

کی برکت سے سفر کے دوران اس کا ایک درہم تک خرچ نہیں ہوا تھا بلکہ ہر مقام پر بڑی خاطر تواضع ہوئی تھی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ اگر ابو عمر زجاجیؒ وہ درہم واپس نہ کرتا (یعنی حضرت جنیدؒ نے طلب نہ کیا ہوتا) تو زندگی میں اسے اپنی ضروریات کے لیے مال و دولت کی ضرورت پیش نہ آتی اور اس کی حاجتیں خود بخود پوری ہوتی رہتیں۔

تصوّف کی بُنیاد آٹھ خصُوصیات پر ہے

علاّمہ شعرانی نے حضرت جنید بغدادیؒ کے متعلق "طبقات الکبریٰ" میں لکھا ہے۔ کسی شخص نے ان سے سماع کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ ایسے آدمی کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ جو لوگوں کو وعظ و ہدایت دیتا ہے لیکن خود گانا سُنتا ہے بلکہ گانا سُن کر اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے؟

اُنھوں نے جواب دیا، "جب اللہ جل شانہ نے اپنی مخلوق سے پہلا عہد لیتے ہُوئے فرمایا تھا کہ "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ"، تب اس کلام کی شیرینی نے دلوں پر ایک ضرب لگائی تھی، سماع کے وقت وہی ضرب اُبھر آتی ہے۔"

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آٹھ خصُوصیات یا آٹھ مزاج بیان کیا کرتے تھے، جن پر تصوّف کی بنیاد ہے اور یہ باتیں انبیائے کرامؑ کے ساتھ مخصُوص تھیں مثلاً

۱۔ سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حصّے میں آئی تھی۔
۲۔ قربانی و فرماں برداری حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خصلت قرار پائی تھی۔
۳۔ رضا حضرت اسحاق علیہ السلام کے لیے مخصُوص تھی۔
۴۔ صبر کا حق حضرت ایوب علیہ السلام نے ادا کیا تھا۔
۵۔ اشارہ و کنایہ حضرت زکریا علیہ السلام کے لیے خاص تھا۔
۶۔ غریب الوطنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے تھی۔

۷۔ سیاحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حصے میں آئی تھی۔

۸۔ فقیری (استغنا اور قناعت) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھی۔

◎

فیضِ معرفت حاصل کریں۔ قدرت ان کا ہاتھ پکڑ کر حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس لے آئی۔
شبلیؒ جب حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کہا: "مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ کے پاس گوہرِ مراد ہے۔ یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ گوہرِ مراد مفت ملے گا یا قیمت پر؟"
حضرت جنیدؒ نے جواب دیا: "اگر گوہرِ مراد مفت دے دیا تو تمہیں اس کی قدر و اہمیت معلوم نہ ہو سکے گی۔ قیمتاً خریدنا چاہو تو تم اُس کی قیمت ادا نہیں کر سکتے کیوں کہ پوری دُنیا کے خزانے بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں۔"

ابوبکر شبلیؒ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضرت جنیدؒ نے انہیں اپنے شاگردوں میں داخل کر لیا لیکن شبلیؒ چونکہ نہاوند کے گورنر رہ چکے تھے۔ اس لیے مرشدِ روحانی نے کہا کہ اپنے عہدِ حکومت میں انہوں نے جن لوگوں کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہو پہلے اُن سے معافی طلب کریں؛ چنانچہ ابوبکر شبلیؒ بغداد سے نہاوند روانہ ہوتے اور ایک ایک دروازے پر جا کر مردوں، عورتوں، بچوں سے معافی مانگنے لگے کہ اگر ان کی حکومت کے زمانے میں کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی یا زیادتی ہوئی ہو تو انہیں معاف کر دیا جائے۔"

"تذکرۃ الاولیا" میں یہ واقعہ خصوصیت کے ساتھ رقم کیا گیا ہے کہ ابوبکر شبلیؒ کو ایک شخص نہ مل سکا، جس کا انہوں نے ایک درہم دینا تھا۔ اُسے بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملا تو بطورِ کفّارہ بہت سارو پیہ خیرات کر دیا پھر بھی مرتے دم تک ڈرتے رہے کہ وہ فلاں شخص کا ایک درہم ادا نہیں کر سکے۔

ابوبکر شبلیؒ بڑے زود حس اور اکثر فکرِ معرفت میں غرق رہتے تھے، جس کے باعث کبھی کبھی انہیں یہ بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ ان کے قریب کون کھڑا یا بیٹھا ہے۔ استغراق کی کی یہ کیفیت اُن پر اکثر و بیشتر طاری رہتی تھی۔ حضرت جنیدؒ اُن سے بڑی سخت ریاضت لیا کرتے تھے تاکہ دنیا سے بالکل بے تعلّق ہو جائیں۔ اس ریاضت میں شبلیؒ کو بعض اوقات اپنا بھی ہوش نہیں رہتا تھا۔

ابنِ خلکان "وفیات الاعیان" میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب ابوبکر شبلیؒ اپنے مُرشدِ روحانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کے سامنے باادب کھڑے

ہو گئے، پھر بڑے جوش کے عالم میں یہ اشعار پڑھنے لگے ؎

عَوِّدُوْنِی الْوِصَالَ وَالْوَصْلُ عَذْبٌ

مجھے وصل کا عادی بنایا اور وصل شیریں ہے۔

وَرَمُوْنِی بِالصَّدِّ وَالصَّدُّ صَعْبٌ

اور منہ پھیر کے مجھے زخمی کر دیا اور روگردانی بہت دشوار ہے۔

زَعَمُوْا حِیْنَ اَزْمَعُوْا اَنَّ ذَنْبِی

مجھے مجروح کرنے کا ارادہ کرتے وقت اُس کے زعم میں میرا گناہ یہ ہے۔

فَرْطُ حُبِّی لَهُمْ وَمَا ذَاکَ ذَنْبٌ

کہ مجھے اُس سے بہت زیادہ محبت ہے اور یہ کوئی گناہ نہیں

لَا وَحَقِّ الْخُضُوْعِ عِنْدَ التَّلَاقِی

اس فروتنی کی قسم جو عند الوصال ہوتی ہے۔

مَا جَزَاءُ مَنْ یُّحِبُّ اَنْ لَّا یُحَبُّ

محبت کرنے والے کا صلہ یہ نہیں کہ وہ محبت ہی نہ کرے۔

وَتَمَنَّیْتُ اَنْ اَرَاکَ فَلَمَّا رَأَیْتُکَا

میری تمنا تھی کہ تجھے دیکھوں مگر جب تجھے دیکھا

غَلَبَتْ دَهْشَةُ السُّرُوْرِ فَلَمْ اَمْلِکِ الْبُکَاءِ

تو خوشی کی حیرت نے اس قدر غلبہ کر لیا کہ میں گریہ نہ روک سکا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شبلیؒ اپنے مرشدِ روحانی حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت حضرت کی زوجہ پاس بیٹھی تھی۔ شبلیؒ کو آتے دیکھا تو اُٹھ کر پردے میں جانا چاہا مگر جنیدؒ نے اُسے روکا کہ کہاں جاتی ہو، یہ تو اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہیں، چنانچہ بیوی پھر بیٹھ گئی، اتنے میں شبلیؒ اندر آئے اور حضرت جنیدؒ سے باتیں کرتے رہے۔

بعض ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ شبلیؒ نے معرفتِ الٰہی کے ذکر میں وصل کے

اشعار حضرت جنیدؒ کی بیوی کے سامنے پڑھے اور انہیں یہ ہوش نہیں تھا کہ حضرت کی بیوی بھی ساتھ بیٹھی ہے۔

مُرشد اور مُرید کے درمیان کچھ گفتگو ہُوئی۔ گفتگو کے دوران شبلی کی حالت میں تبدیلی ہوئی یعنی استغراق کا رنگ بدلنے لگا تو حضرت جنیدؒ اپنی بیوی سے بولے:
"اب تمہارے پردے میں جانے کا وقت آگیا ہے، کیوں کہ شبلیؒ اپنی باطنی کیفیت سے نکل کر ظاہری حالت میں آرہے ہیں۔"

یہ سُن کر بیوی اُٹھ کر پردے میں چلی گئی۔ جب شبلیؒ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے تو اُنہیں پتہ بھی نہ چل سکا کہ کوئی عورت وہاں سے اُٹھ کر پردے میں چلی گئی ہے۔ یہ اُن کے استغراق یا جذب و کیف کی وہ کیفیت تھی، جو بہت کم لوگوں پر طاری ہوتی ہے لیکن حضرت جنیدؒ اُن کی عام حالت اور جذب و مستی کی کیفیت کا خوب اندازہ لگا لیتے تھے، اور اُن سے حسبِ حال گفتگو کرتے تھے۔

حضرت شبلیؒ کی ایک معرفانہ شان یہ بھی تھی کہ اکثر روتے اور آہ و بکا کرتے تھے۔ لوگ اُن کی آہیں سُن کر بے چین ہو جاتے تھے۔ کوئی بھی غیر معمولی بات سُنتے یا کوئی عجیب منظر دیکھتے تو آہ بھرتے اور اُس کی گُونج سُنائی دیتی تھی۔

حق تعالیٰ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ عاشقِ مضطر کی طرح ہُو حق کے نعرے لگایا کرتے اور کہتے تھے۔ جو حق کا مقتول ہے، اُسے کوئی دوسرا قتل نہیں کر سکتا۔ کبھی کبھی عشقِ الٰہی "وحشت" میں تبدیل ہو جاتا اور عجیب عجیب حرکتیں کرتے تھے۔ ایک بار یہ "وحشت" اس قدر بڑھ گئی کہ لوگوں کو دیوانگی کا شبہ ہوا اور یہ بات پھیل گئی کہ ابوبکر شبلیؒ پاگل ہو گئے ہیں۔

لوگوں نے انہیں زنجیروں سے باندھ دیا کہ کہیں حالتِ دیوانگی میں کسی سمت بھاگ نہ جائیں اور اُسی حالت میں اُٹھا کر مطب میں لے گئے تا کہ اُن کا علاج معالجہ ہو سکے۔

جنابِ شبلیؒ لوگوں کی پریشانی پر بڑے حیران تھے کہ وہ اُنہیں شفا خانے میں

کیوں لے آئے ہیں، چنانچہ انہوں نے کہا۔

"تم سمجھتے ہو کہ میں دیوانہ ہو گیا ہوں، مگر میرے خیال میں دیوانے تم ہو، جو میرا حال نہیں جانتے۔ میں تو اپنے اللہ کا دیوانہ ہوں اور میری دیوانگی بڑھتی جائے گی۔"

یہ واقعہ "تذکرۃ الاولیاء" میں بطورِ خاص بیان کیا گیا ہے۔

ولی اللہ سے کرامت ظاہر ہوتی ہے

جب عباسی خلیفہ مقتدر باللہ نے ۳۰۱ھ میں علی بن عیسٰی کو وزیرِ سلطنت مقرر کیا تو اس نے رفاہِ عامہ کے بہت سے کام کیے۔ پُرانی مساجد کی مرمت کے علاوہ نئی مسجدیں تعمیر کرائیں اور اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں لگائیں۔ لوگوں کے علاج کی خاطر شفاخانے تعمیر کرائے جن میں نامی گرامی حکما اور اطبا مقرر کیے گئے۔ مگر عراق میں قہرِ الٰہی سے ایسے امراض پھوٹ پڑے کہ ہزاروں لوگ مر گئے۔

انہی ایام میں جنابِ ابوبکر شبلیؒ بھی اس قدر بیمار پڑ گئے کہ انہیں ایک شفاخانے میں بہ غرضِ علاج لایا گیا۔ وزیرِ سلطنت علی بن عیسٰی کو پتہ چلا تو اس نے خلیفہ کو ان کی بیماری سے مطلع کیا، جس پر خلیفہ نے اپنا خاص شاہی طبیب جو عیسائی تھا، شبلیؒ کے علاج پر متعین کیا اور اسے ہدایت کی کہ ابوبکر شبلیؒ کے علاج میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔

عیسائی طبیبِ خاص نے بڑی توجہ سے علاج کیا، حتیٰ کہ شبلیؒ صحت یاب ہو گئے۔ بعد از علاج جب وہ ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے، تو طبیبِ خاص نے کہا: "میرے نزدیک آپ اتنے اہم اور محترم مریض تھے کہ آپ کے علاج کی خاطر اگر مجھے اپنے جسم سے گوشت کاٹ کر دینا پڑتا تو اس سے بھی دریغ نہ کرتا اور بڑی خوشی سے یہ کام کر گزرتا۔

شبلیؒ کہنے لگے: مجھے تو کچھ اور ہی دوا درکار ہے۔"

"وہ کیا؟" عیسائی طبیب نے اضطراب سے پوچھا۔

"صرف یہ کہ اپنی صلیب توڑ کر مسلمان ہو جاؤ۔"

جناب شبلیؒ نے جسمانی علاج کے بدلے میں روحانی علاج کا نسخہ پیش کیا۔ طبیب پہلے ہی اُن کے حسن اخلاق اور کمالاتِ معرفت کو سمجھ چکا تھا۔ اس نے کسی عذر اور تامّل کے بغیر عیسائیت ترک کر دی اور انہی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ جب یہ خبر خلیفہ مقتدر کو پہنچی تو بے اختیار بولا:

"ہم نے ایک طبیب کو ایک مریض کے علاج کی خاطر بھیجا تھا مگر یہ علم نہ تھا کہ ایک مریض کو ایک طبیب کے پاس بھیج رہے ہیں۔"

عیسائی طبیب جو خلیفہ کا خاص حکیم تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد نہ صرف فنِ طبابت پر گہری توجہ دینے لگا بلکہ دین میں بھی کمال دل چسپی لیتا اور اکثر حضرت ابوبکر شبلیؒ سے ملنے جاتا تھا۔

"طبقات الکبریٰ" کے مصنف علامہ شعرانی اس بات کا تعین نہیں کر سکے کہ یہ واقعہ کس زمانے کا ہے؟ آیا اسی زمانے کا جب علی بن عیسیٰ وزیر تھا یا اس سے بعد کا۔ بہرحال حضرت ابوبکر شبلی بہ حالت مرض شفا خانے میں لائے گئے اور وزیرِ سلطنت بھی ان کی عیادت کو آیا۔

شبلیؒ اکثر کہا کرتے تھے: "جس صدیق سے کوئی معجزہ (کرامت) ظاہر نہ ہو تو، وہ جھوٹا ہے۔" چنانچہ جب وزیر ان کی عیادت کرنے دارالشفاء میں گیا تو پوچھنے لگا۔

"کیوں حضرت! اب آپ کا وہ معجزہ کہاں ہے؟"

مطلب یہ تھا کہ آپ بیمار ہو گئے اور اپنے معجزے یعنی کرامت سے شفایاب بھی نہ ہو سکے۔ حضرت شبلیؒ بڑے جوش کے ساتھ بولے: "میرا معجزہ (کرامت) یہ ہے کہ میں ہر امرِ بالمعروف اور ہر نہی عن المنکر میں اللہ کے حکم کی پیروی کروں۔"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابوبکر شبلیؒ جب کہتے تھے کہ ہر صادق اور ولی اللہ سے کسی نہ کسی کرامت کا ظہور لازمی ہے، ورنہ وہ جھوٹا سمجھا جائے گا تو ان کی بیماری کے زمانے میں

یہ کرامت ظہور میں آئی کہ اُن کا علاج کرنے والا طبیبِ خاص جو عیسائی تھا۔ اُن کے روحانی فیض سے مسلمان ہوگیا۔ علامہ شعرانی کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ عیسائی طبیب کا قبولِ اسلام در اصل حضرت ابو بکر شبلیؒ کی کرامت ہے۔

لَمۡ یَبۡقَ اِلَّا وَاحِدًا

اولیا اور صوفیا وحدت الوجود پر گہرا یقین رکھتے اور کائنات کی ہر شے کو وجودِ الٰہی کا مظہر ٹھہراتے ہیں" وحدت الوجود" کی اصطلاح کا مطلب ہی یہ ہے کہ تمام موجودات کو خداتعالیٰ ہی کا وجود ماننا اور وجودِ ماسوا کو محض اعتباری خیال کرنا۔

حضرت شبلیؒ اس معاملے میں خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ وہ نہ صرف اشیاء بلکہ بعض الفاظ سے بھی اس قسم کا اشارہ لیتے تھے۔ جس سے خدا کی وحدت کا ثبوت ملتا ہو۔ کہتے ہیں ایک دن وہ راستے سے گزر رہے تھے کہ ایک شربت فروش نے جو آبخوروں میں شربت بیچ رہا تھا۔ ہانک لگائی۔

"لَمۡ یَبۡقَ اِلَّا وَاحِدًا"

(بس ایک ہی رہ گیا ہے۔)

اس کا مطلب یہ تھا کہ شربت کا ایک ہی آبخورہ رہ گیا ہے لوگو! ابوبکر شبلیؒ نے یہ آواز سنتے ہی بے تابانہ نعرہ بلند کیا کہ "بس ایک ہی رہ گیا ہے" وہ یہ آواز بار بار لگاتے تھے اور آخر میں یہ اضافہ کر دیا کہ "ایک کے سوا کوئی رہے گا بھی نہیں"۔

شربت بیچنے والے کے الفاظ کو انہوں نے کیسے خوبصورت معنی پہنائے، جس سے وحدتِ الٰہی کا مفہوم بالکل واضح ہو گیا۔

وہ فاختہ کو سمجھانے لگے

"تذکرۃ الاولیا" کے مطابق ایک بار انہوں نے کسی فاختہ کی آواز سنی جو بار بار بول رہی تھی: "کو، کو — کو، کو"

شبلیؒ یہ آواز سن کر بے قرار ہو گئے اور لپک کر اس درخت کے نیچے پہنچ گئے جس کی ایک ٹہنی پر فاختہ بیٹھی تھی۔ جونہی وہ بولی: "کو، کو"۔ انہوں نے نیچے سے صدا لگائی "ہو، ہو"۔

کہتے ہیں یہ سلسلہ کافی دیر قائم رہا۔ درخت پر فاختہ بولتی تھی "کو، کو"۔ نیچے سے شبلیؒ جواب دیتے تھے: "ہو ہو"۔

اہلِ معرفت نے اس واقعے سے عجیب معنی نکالے ہیں۔ فارسی زبان میں "کو" کے کئی معنی ہیں۔ مثلاً کون یا کون سا یا کہاں ہے؟ صوفیوں کے نزدیک فاختہ جب "کو" کی آواز نکالتی ہے تو گویا پوچھتی ہے کہ خالق کون ہے؟ شبلی اس کے سوال کا جواب دیتے تھے۔ "ہو" یعنی وہ جو آسمانوں پر ہے۔

اس واقعے سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ابوبکر شبلیؒ بعض اشیا کو دیکھ کر نہ صرف آہ بھرتے اور بے تابانہ نعرے لگاتے تھے بلکہ عجیب و غریب حرکتیں بھی کرتے تھے، جیسے فاختہ کی آواز سن کر لپکتے ہوئے گئے اور درخت کے نیچے کھڑے ہو کر "کو، کو" کے جواب میں "ہو ہو" کی صدائیں دینے لگے۔

ظاہر ہے فاختہ ان کی زبان نہ سمجھتی تھی۔ پھر نہ جانے وہ جو کچھ بولتی ہے اس کا اصل مفہوم کیا ہے مگر وہ اسی کو رازِ الٰہی سمجھانے لگ گئے۔ ان کی اس قسم کی حرکات سے لوگ انہیں پاگل سمجھنے لگے اور ایک بار اُنہیں زنجیروں میں جکڑ کر شفا خانے میں بھی لے گئے لیکن کیا وہ فی الواقع دیوانے تھے؟

قبولیتِ دُعا بھی اور کرامت بھی

ابوبکر شبلی کے مُرید اور شاگرد جو ان سے معرفتِ الٰہی کا سبق لیتے تھے، ان کی خانقاہ ہی میں رہتے اور وہیں سے کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ جب خانقاہ میں چالیس شاگرد تھے۔ وہ شاگردوں کے پاس آئے اور قرآنِ مجید کی یہ آیت پڑھی۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

(اور جو تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے تو وہ اُس کے ذرائع کھولتا اور ایسی جگہ سے اُسے رزق دیتا ہے جس کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے)

اس آیت کے ذریعے انہوں نے شاگردوں کو توکل کا سبق دیا اور انہوں نے توکل اختیار کیا۔ شبلیؒ واپس چلے گئے۔ اب شاگرد توکل کر کے بیٹھ گئے اور تین دن گزر گئے کہ کھانا نہ ملا۔ بھوک سے سب کا بُرا حال تھا۔ تین روز گزرنے کے بعد پھر شبلیؒ آئے اور اب شاگردوں کو خدا تعالیٰ کا ایک اور حکم سُنایا کہ:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ

(وہ ذات ہے، جس نے زمین کو تمہارے لیے عاجز کر دیا پس زمین کے

راستوں پر چلو اور اس کے رزق سے کھاؤ۔)

یہ آیت پڑھ کر انہوں نے کہا: "اب مناسب یہ ہے کہ تم میں سے وہ شخص جو سب سے متقی ہو۔ یہاں سے تلاشِ معاش میں نکلے۔ شاید اس کے ذریعے تمہیں کچھ طاقت حاصل ہو۔"

اس پر شاگردوں نے ایک شخص کو چُن لیا کہ وہ جائے۔ وہ شخص خانقاہ سے نکلا اور دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر شرقی اور غربی بغداد میں گھومتا رہا لیکن کوئی ذریعہ معاش میسّر نہ آسکا۔ پہلے ہی تین دن کا فاقہ تھا۔ کمزوری اس قدر بڑھ گئی کہ بچارا چل پھر نہیں سکتا تھا۔ آخر مجبور ہو کر ایک عیسائی طبیب کے مطب کے پاس جا بیٹھا۔ جہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔

طبیب مریضوں کو دیکھنے اور اُن کے لیے نسخے تجویز کرنے میں بہت مصروف تھا۔ جب بھیڑ ختم ہوئی اور مریض دوا دارو لے کر چلے گئے، تو طبیب نے دیکھا کہ ایک شکستہ خاطر اور خستہ حال فقیر وہاں بیٹھا ہے۔ اس نے پوچھا۔

"تمہیں کیا مرض یا کیا تکلیف ہے؟"

درویش نے بے ساختہ اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ طبیب نے نبض دیکھی اور سمجھ گیا۔ کہ کئی دن کے فاقے سے ہے۔ کہا: "تمہاری بیماری کا پتہ چل گیا ہے لیکن دوا کے لیے تمہیں کچھ دیر صبر کرنا ہوگا۔"

پھر اپنے غلام کو بُلا کر کچھ رقم دی کہ بازار سے جا کر ایک رطل روٹی، ایک رطل بُھنا ہوا گوشت اور ایک رطل حلوہ لے آئے۔ جب غلام یہ سب چیزیں لے آیا تو طبیب نے فقیر کو کہا کہ یہ اس مرض کا علاج ہے تو وہ کہنے لگا۔

"میرے علاوہ اس مرض میں ۳۹ آدمی اور بھی مبتلا ہیں۔ مَیں چالیسواں ہوں۔"

عیسائی طبیب وسیع القلب اور سخی تھا۔ اُس نے بقیہ بھوکے آدمیوں کے لیے بھی روٹیاں، گوشت اور حلوہ منگوایا اور ایک بڑے طباق میں چالیس آدمیوں کا کھانا رکھ کر ایک مزدُور کو حکم دیا کہ وہ اس فقیر کے ساتھ جائے اور جہاں وہ کہے یہ کھانا

وہاں پہنچا دے۔

درویش مزدور کو لے کر خانقاہ میں پہنچا جہاں فاقہ زدہ ۳۹ آدمی اس کے منتظر تھے۔ حضرت شبلیؒ بھی وہیں ذکرِ الٰہی میں مصروف تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ کھانا آگیا ہے، تو باہر نکلے۔ شاگردوں کے پاس آئے اور اس شاگرد سے جو کھانا لے کر آیا تھا، پورا ماجرا سُنا کہ کھانا کس طرح ملا۔ اس کی کہانی سُن کر حضرت اپنے شاگردوں سے پُوچھنے لگے۔

"کیا تم پسند کرتے ہو کہ ایک عیسائی کا بھیجا ہوا کھانا کھاؤ اور اسے کوئی معاوضہ بھی نہ دو؟"

شاگردوں نے حیران ہو کر دریافت کیا۔ "ہم اس کا معاوضہ کیسے ادا کر سکتے ہیں؟" مطلب یہ تھا کہ ہمارے پاس تو اُسے دینے کے لیے کچھ بھی نہیں، مگر شبلیؒ نے کہا، "تم اس کے حق میں نیکی کی دُعا کر کے معاوضہ ادا کر سکتے ہو۔"

یہ سُن کر سب نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے اور عیسائی طبیب کے حق میں دعائے خیر کرنے لگے۔

اس واقعے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ عیسائی طبیب جس نے چالیس بھوکے درویشوں کے لیے کھانا بھجوایا تھا۔ یہ سوچ کر کہ دیکھے تو سہی وہ چالیس آدمی کون ہیں؟ مزدور اور فقیر کے پیچھے ہو لیا تھا اور چُھپتا چھپاتا خانقاہ تک آگیا تھا۔ پھر اُس نے ایک جھروکے سے اندر جھانک کر نہ صرف شبلیؒ کے چالیس بھوکے شاگردوں کو دیکھ لیا اور شبلیؒ نے جو کہا تھا، وہ بھی سُن لیا بلکہ ان سب کو اپنے حق میں دُعائے خیر کرنے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ جس سے وہ بے حد متاثر ہوا۔ جب دُعا ختم ہوئی تو وہ بے تاب ہو گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جُونہی دروازہ کھُلا۔ وہ بھاگتا ہوا حضرت شبلیؒ کے سامنے پیش ہو گیا۔

اس نے بتایا کہ میں ہی وہ عیسائی طبیب ہوں جس نے یہ کھانا بھیجا ہے اور جس کے حق میں آپ لوگوں نے دُعائے خیر کی ہے۔

حضرت شبلیؒ اور ان کے چالیس شاگردوں کی مخلصانہ دُعا نے عیسائی طبیب کا دل نورِ اسلام سے منور کر دیا۔ اس نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ اسلام قبول کیا اور شبلیؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ "روض الریاحین" میں لکھا ہے کہ وہ طبیب بہت ہی سچّا اور پکا مُسلمان ثابت ہوا۔ اور حضرت شبلیؒ کے مریدانِ باصفا میں شامل رہا۔

یہ واقعہ قبولیتِ دعا کے علاوہ حضرت شبلیؒ کی کرامت کا بھی مظہر ہے کہ ایک طرف تو شاگردوں کو توکل کا سبق دیا اور دوسری جانب یہی سبق ایک عیسائی طبیب کے قبولِ اسلام کا سبب بن گیا۔

جب حُسین بن منصُور کو سُولی دی گئی

حسین بن منصُور حلاّج کو تختۂ دار پر لٹکانے کا سانحہ حضرت شبلیؒ کی حیات ہی میں پیش آیا۔ جو ان کے مُرشد حضرت جنیدؒ بغدادی ہی کے شاگرد تھے۔

صوفیائے متاخرین، حسین بن منصور کو ایک اعلیٰ درجے کا صوفی اور ولیؒ کامل تسلیم کرتے ہیں۔ تاہم ان کے بارے میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ان کے نعرے "انا الحق" کو خلافِ شریعت قرار دیا گیا۔ عباسی خلیفہ المکتفی باللہ بن معتضد باللہ کے عہدِ خلافت میں اُن پر مقدمہ چلایا گیا اور قاضیوں، مفتیوں نے اُن کے قتل کا فیصلہ دیا، جس پر اُنہیں سولی پر لٹکا دیا گیا۔

حضرت شبلیؒ سے بھی حلاّج کے بارے میں دریافت کیا گیا مگر اُنہوں نے قتل کا فتویٰ دینے سے اجتناب کیا تھا۔ ایڈورڈ براؤن نے "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" (تاریخ ادبیاتِ ایران) میں لکھا ہے کہ اس موقع پر شبلیؒ نے ایک نیشاپوری عورت فاطمہ کو حسین بن منصور کے پاس بھیجا اور اُس کے ذریعے یہ بات دریافت کرائی کہ تصوّف کیا ہے؟

منصُور حلاّج نے جواب دیا: "جو کچھ ہوں، میں ہی ہوں۔ بخدا! میں نے ایک پل کے لیے بھی لذّت اور الم میں فرق نہیں کیا۔"

جب حسین بن منصور کو سولی دی گئی، تو حکم تھا کہ علمائے کرام اور دُوسرے

دیکھنے والے اُنہیں پتھر ماریں۔ ایک روایت کے مطابق اس موقع پر ابو بکر شبلیؒ سُولی کے قریب چلے گئے اور پتھر کے بجائے اُنہیں پھُول مارا۔ کہتے ہیں۔ حلاّج نے دوسروں کے پتھروں سے شبلیؒ کے پھُول کی زیادہ تکلیف محسُوس کی۔ کہتے ہیں۔ حسین منصور سُولی دیے جانے کے بعد قتل کیے گئے تھے۔

نمازِ جنازہ کی پانچ تکبیریں، پانچویں تکبیر دُنیا پر

ایک مرتبہ اذان سُن کر ابو بکر شبلیؒ پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب مؤذّن نے "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کے بعد "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھا تو شبلیؒ نے جوش میں آکر کہا۔

"اگر تیرا حکم نہ ہوتا تو تیرے نام کے ساتھ غیر کا نام نہ لیتا۔"

یعنی "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" نہ کہتا۔ یہ بات مولانا شرر لکھنوی نے رسالہ قشیریہ صـ ۱۵۲ کے حوالے سے لکھی ہے۔ شبلی کے نزدیک "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہی توحید کے لیے کافی تھا مگر دنیا میں کفر اور شرک کے طوفانوں میں چونکہ خالص توحید کا عَلَم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بلند کیا۔ اس لیے اذان میں حضورؐ کا ذکر بھی ضروری سمجھا گیا، ورنہ توحید کے دعوے دار تو یہود بھی تھے۔ جنہوں نے کئی مرتبہ خدا کے خلاف بغاوت کی تھی۔

حضرت شبلیؒ نے ایک بار نمازِ جنازہ پڑھائی اور چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہیں، جب کہ جنازے کی نماز میں چار ہی تکبیریں ہوتی ہیں۔ نمازِ جنازہ پڑھنے والے بڑے حیران ہوئے اور اُنھوں نے پُوچھا:

"حضرت! کیا آپ نے کوئی نیا مذہب ایجاد کیا ہے؟"

جواب دیا۔ "نہیں۔"

لوگوں نے پوچھا: "پھر آپ نے پانچ تکبیریں کیوں کہیں؟"
اُنھوں نے جواب دیا: "چار تکبیریں تو مُردے کے لیے تھیں جس کا جنازہ پڑھا
ور پانچویں تکبیر دُنیا اور اہلِ دُنیا پر تھی۔"

"تذکرۃ الاولیا" کے اس بیان کی بعض لوگوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ حضرت
شبلیؒ اکثر بیگانہ ہوش ہو جایا کرتے تھے، ممکن ہے نمازِ جنازہ پڑھاتے وقت
اسی کیفیت میں پانچ تکبیریں کہہ گئے ہوں لیکن اُنھوں نے پانچویں تکبیر کا جواز
خوب نکالا، کیوں کہ اہل اللہ کے نزدیک دُنیا بھی ایک مُردار ہے۔

لوگوں نے پوچھا: "پھر آپ نے پانچ تکبیریں کیوں کہیں؟"

انھوں نے جواب دیا: "چار تکبیریں تو مُردے کے لیے تھیں جس کا جنازہ پڑھا اور پانچویں تکبیر دُنیا اور اہلِ دُنیا پر تھی۔"

"تذکرۃ الاولیا" کے اس بیان کی بعض لوگوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ حضرت شبلیؒ اکثر بیگانہ ہوش ہو جایا کرتے تھے، ممکن ہے نمازِ جنازہ پڑھاتے وقت اسی کیفیت میں پانچ تکبیریں کہہ گئے ہوں لیکن انھوں نے پانچویں تکبیر کا جواز خوب نکالا، کیوں کہ اہل اللہ کے نزدیک دُنیا بھی ایک مُردار ہے۔

لوگوں نے پوچھا: "پھر آپ نے پانچ تکبیریں کیوں کہیں؟"

انھوں نے جواب دیا: "چار تکبیریں تو مُردے کے لیے تھیں جس کا جنازہ پڑھا اور پانچویں تکبیر دُنیا اور اہلِ دُنیا پر تھی۔"

"تذکرۃ الاولیا" کے اس بیان کی بعض لوگوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ حضرت شبلیؒ اکثر بیگانہ ہوش ہو جایا کرتے تھے، ممکن ہے نمازِ جنازہ پڑھاتے وقت اسی کیفیت میں پانچ تکبیریں کہہ گئے ہوں لیکن اُنھوں نے پانچویں تکبیر کا جواز خوب نکالا، کیوں کہ اہل اللہ کے نزدیک دُنیا بھی ایک مُردار ہے۔

ایک آدمی جو الرصافہ سے آیا اور وہاں نو وارد معلوم ہوتا تھا، راستے میں ملا، اُسے دیکھتے ہی شبلیؒ کہنے لگے۔

"کل مجھے اس آدمی سے سابقہ پڑے گا۔"

مَیں نے اس بات پر کوئی توجہ نہ دی اور اُنہیں سہارا دیے جامع مسجد میں لے گیا۔ جہاں ہم دونوں نے نمازِ جمعہ ادا کی اور واپس آ گئے، اُسی رات اُن کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور وہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

تجہیز و تکفین سے قبل کسی نیک پاک غسال کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لوگوں نے بتایا کہ بہشتیوں کے محلے میں ایک ایسا شخص رہتا ہے، جو ہے بھی بڑا نیک پاک اور مُردوں کو غسل بھی دیتا ہے، چنانچہ مَیں اس کی تلاش میں روانہ ہوا اور لوگوں سے پتہ پُوچھتا دجلہ کے مشرقی حصّے میں بہشتیوں کے محلے میں جا پہنچا اور غسال کا گھر تلاش کر لیا۔

وہاں پہنچ کر مَیں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اُونچی آواز میں "السلام علیکم" کہا۔ اندر سے کسی نے پُوچھا "کیا شبلی کا انتقال ہو گیا؟"

مَیں نے اثبات میں جواب دیا، جسے سُن کر وہ شخص باہر نکلا اور مَیں اُس کی شکل دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ وہی آدمی تھا جو کل ہمیں کتب فروشوں کے بازار میں اچانک ملا تھا اور جسے دیکھ کر حضرت شبلیؒ نے کہا تھا کہ کل اس آدمی سے میرا سابقہ پڑے گا۔

اُسے دیکھ کر میری زبان سے بے اختیار "لا الٰہ اِلّا اللہ" نکل گیا۔ اس نے بھی لا الٰہ اِلّا اللہ کہا اور پُوچھا: "آپ حیران کیوں ہیں؟"

مَیں نے کل کا واقعہ سُنایا اور پُوچھا: "آج آپ کو حضرت کے مرنے کی خبر کیسے ہو گئی؟"

اُس نے جواب دیا۔ جس طرح شبلیؒ کو یہ اطلاع ہو گئی تھی کہ کل اُن کا سابقہ مجھ سے پڑے گا؟"

آپ ۲۸ ذی الحجہ ۳۳۴ ہجری میں جمعے کی رات کو فوت ہوئے اور بغداد کے محلّہ خیزران کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ۔

ایک آدمی جو الرّصافہ سے آیا اور وہاں نو وارد معلوم ہوتا تھا، راستے میں ملا، اُسے دیکھتے ہی شبلیؒ کہنے لگے۔

"کل مجھے اس آدمی سے سابقہ پڑے گا۔"

مَیں نے اس بات پر کوئی توجہ نہ دی اور اُنہیں سہارا دیے جامع مسجد میں لے گیا۔ جہاں ہم دونوں نے نمازِ جمعہ ادا کی اور واپس آ گئے، اُسی رات اُن کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور وہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

تجہیز و تکفین سے قبل کسی نیک پاک غسّال کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لوگوں نے بتایا کہ بہشتیوں کے محلّے میں ایک ایسا شخص رہتا ہے، جو ہے بھی بڑا نیک پاک اور مُردوں کو غسل بھی دیتا ہے، چنانچہ مَیں اس کی تلاش میں روانہ ہوا اور لوگوں سے پتہ پُوچھتا دجلہ کے مشرقی حصّے میں بہشتیوں کے محلّے میں جا پہنچا اور غسّال کا گھر تلاش کر لیا۔

وہاں پہنچ کر میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اُونچی آواز میں "السلام علیکم" کہا۔ اندر سے کسی نے پُوچھا "کیا شبلی کا انتقال ہو گیا؟"

مَیں نے اثبات میں جواب دیا، جسے سُن کر وہ شخص باہر نکلا اور مَیں اُس کی شکل دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ وہی آدمی تھا جو کل ہمیں کتب فروشوں کے بازار میں اچانک ملا تھا اور جسے دیکھ کر حضرت شبلیؒ نے کہا تھا کہ کل اس آدمی سے میرا سابقہ پڑے گا۔

اُسے دیکھ کر میری زبان سے بے اختیار "لا الٰہ الّا اللہ" نکل گیا۔ اس نے بھی لا الٰہ الّا اللہ کہا اور پُوچھا: "آپ حیران کیوں ہیں؟"

مَیں نے کل کا واقعہ سُنایا اور پُوچھا: "آج آپ کو حضرت کے مرنے کی خبر کیسے ہو گئی؟"

اُس نے جواب دیا۔ جس طرح شبلیؒ کو یہ اطلاع ہو گئی تھی کہ کل اُن کا سابقہ مجھ سے پڑے گا؟

آپ ۲۸ ذی الحجہ ۳۳۴ ہجری میں جمعے کی رات کو فوت ہوئے اور بغداد کے محلّہ خیزران کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن۔

کتابیات

"کراماۃ الاولیاء" کی تیاری میں جن کتابوں سے مدد لی گئی، ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ تذکرۃ الاولیاء

۲۔ کشف المحجوب (داتا گنج بخشؒ)

۳۔ فوائد الفواد (ملفوظات حضرت نظام الدین اولیاءؒ)

۴۔ طبقات الکبریٰ (شعرانی)

۵۔ روض الریاحین (یافعی)

۶۔ الفاروق (شبلی)

۷۔ وفیات الاعیان (ابن خلکان)

۸۔ سکینۃ الاولیاء

۹۔ حدیقۃ الاولیاء

۱۰۔ انوارِ اصفیا

۱۱۔ اقتباس الانوار

۱۲۔ مراۃ الاسرار

۱۳۔ محبوب الواصلین

۱۴۔ لطائفِ قدسی

۱۵۔ تحقیقاتِ چشتی

۱۶۔ تاریخ ادبیات ایران (ایڈورڈ براؤن)